(اِنَّمَا بُعِثتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الأَخلاَقِ)
(بے شک میں اس لئے رسول بنایا گیا ہوں کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں)
(مجمع الزوائد)
اخلاقِ مؤمن
سکندر نقشبندی

(اِنَّمَا بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الأخلاَقِ)
(بے شک میں اس لئے رسول بنایا گیا ہوں کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں)
(مجمع الزوائد)
اخلاقِ مؤمن
سیّد سبط سکندر نقوی حنفی نقشبندی مجدّدی

نام کتاب: اخلاقِ مؤمن

تالیف: سکندر نقشبندی

ٹیلیفون: (001) 647 890 1317

sikander.naqshbandi@gmail.com

www.eislamicbooks.com

سرورق: سید حماد الرحمان - ٹورنٹو کینیڈا

پروف ریڈنگ: محترم امیر قادر ۔ مسی ساگا ۔ کینیڈا

تعداد: ایک ہزار

سنِ طباعت: 2017ء

قارئین سے گذارش

کتاب کی پروف ریڈنگ میں اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو معذرت قبول فرمائیں اور نشاندھی فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست کی جا سکے۔ جزاکم اللہ خیراً

کتاب ملنے کیلئے رابطہ

مختار احمد (کراچی پاکستان) 0300-2380285

نفیس الحسن جیلانی (کراچی پاکستان) 0300-3512712

عبدالرشید خان (ورجینیا امریکہ) (001) 703-785-4737

منور نقوی (سڈنی آسٹریلیا) 0614-2490-4151

قیصر نقوی (ٹورنٹو کینیڈا) (001) 647-898-4640

سید عباد الرحمان (کیلگری AB کینیڈا) (001)403-926-5171

نادر موتی

اللّٰہ کی تقسیم پر راضی ہو جا ، سب سے بڑا غنی ہو جائے گا

(سرورِ کونین امام الانبیاء ﷺ)
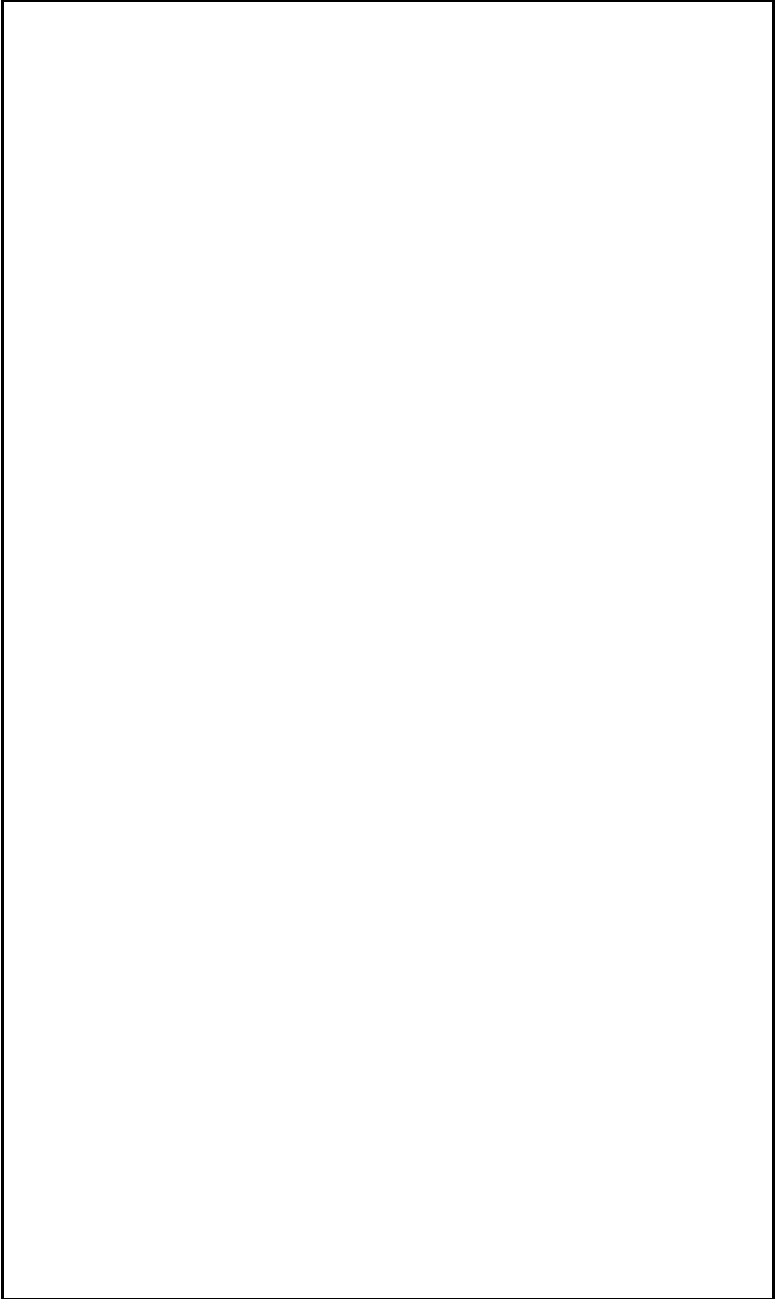
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

☆☆☆

گوھرِ نایاب

اللہ کی مرضی
اور اپنی
مرضی میں
فرق کا نام
”غم“ ہے

عرضِ مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤمِنُ بِہٖ وَ نَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَاوَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مِنْ یَّھْدِ ہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَ مِنْ یُّضْلِلْہٗ فَلَا ھَادِ یَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَ ہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّد نَا وَسَنَدَ نَا وَ نَبِیِّنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدً ا عَبْدُ ہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا ☆ اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

﴿ اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَکَارِمَ الأَخلَاقِ ﴾

(بے شک میں اس لئے رسول بنایا گیا ہوں کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں)

(مجمع الزوائد)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمِ

اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ.

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِ نَا مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَجِیْدٌ ☆

اخلاق ۔ خلق کی جمع ہے۔ یہ انسان کے اندر اس قوت کا نام ہے جو اس کی طبیعت میں اچھے اور برے اثرات قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔ اگر کسی انسان کی تربیت اچھے احکامات و اعمال سے کی گئی ہے تو اس کے اندر اچھے اوصاف پیدا ہوں گے مثلاً امانت، دیانت، صبر و تحمل، شرم و حیا، ہمدردی و عطا، بردباری اور سخاوت وغیرہ۔ اگر اس کی تربیت برے اعمال و اقوال سے کی گئی ہے تو اس کے اندر ظلم، تکبر، فحاشی و منکرات، خیانت و جھوٹ جیسے برے اوصاف پیدا ہو جائیں گے۔

ان حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام نے مومن کی تربیت کے ایک مربوط نظام بنایا ہے۔ اس کی تربیت کا مکمل اہتمام کیا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے ذریعہ امت تک پہنچائے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! میرے رب نے میری تربیت فرمائی اور کیا خوب تربیت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اخلاق حسنہ کا نمونہ بنا کر پیش کیا اور خود ان کی تعریف کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

وَإِنَّکَ لَعَلی خُلُقٍ عَظِیمٍ O

(سورۃ القلم ۔ ۴)

بیشک آپ (ﷺ) بہت بڑے اخلاق پر ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں حسن اخلاق کو پورا کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (موطا امام مالکؒ)

برائی کی بدلہ بھلائی سے دینا، زیادتی کا بدلہ عفو و درگزر سے، اور غیظ و غضب کا بدلہ حلم و بردباری سے دینا کہ دشمن بھی دوست بن جائے۔ یہی حسن اخلاق ہیں جس کا عملی نمونہ سرورکائنات ﷺ ذات مبارک تھی۔ آپ ﷺ کے اخلاق کی وجہ سے مختصر سی مدت میں وحشی، خونخوار، بدتہذیب، بداخلاق اور بدمذہب قوم بہترین اخلاق رکھنے والی قوم بن گئی۔

ایک مشہور روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی اس کو رسول اللہ ﷺ کی ذات اور اسلام سے سخت نفرت تھی۔ وہ ہمیشہ آپ ﷺ کی بربادی کی دعائیں مانگتی تھی لیکن جب اس نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی دعوت کا کام بڑھتا ہی جا رہا ہے تو مایوس ہو کر مکہ مکرمہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ ایک دن اس نے اپنا سارا سامان باندھا اور گھر کے دروازے پر بیٹھ گئی اور کسی مددگار کو تلاش کرنے لگی جو اس کا

سامان اٹھا کر اسے دوسری جگہ پہنچا دے۔ اتفاق سے نبی اکرم ﷺ کا اس طرف سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس بڑھیا کو کچھ پریشان دیکھا تو مدد کے لئے پوچھا۔ اس بڑھیا نے کہا کہ میرا یہ سامان ہے اسے لے کر چلنا ہے جو مزدوری ہوگی میں دے دوں گی۔ آپ ﷺ نے وہ سامان اپنے سر پر اٹھا لیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ جب اس کی منزل آ گئی تو بڑھیا نے کہا کہ میری منزل آ گئی میرا سامان یہیں رکھ دو۔ آپ ﷺ اس کا سامان وہاں رکھ کر واپس جانے لگے تو اس بڑھیا نے کہا کہ بیٹا اپنی مزدوری نہیں لو گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ مزدوری کیسی یہ تو میرا فرض تھا۔ میرا کام یہی ہے، بیکسوں کی مدد کرنا اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا۔ وہ بڑھیا آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور کہنے لگی بیٹے اگر تم مزدوری نہیں لو گے تو میری ایک بات ضرور سن لو۔ آپ ﷺ رک گئے اور وہ بڑھیا آپ ﷺ کو نصیحتیں کرنے لگی۔ بیٹے! مکہ میں ایک آدمی ظاہر ہوا ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور ہمارے خداؤں کی توہین کرتا ہے۔ اس کی بات میں ایسا جادو ہے کہ جو اس کے پاس جاتا ہے اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے پاس مت جانا ورنہ اپنے آبائی دین سے پھر جاؤ گے۔ آپ ﷺ نے نہایت عاجزی سے عرض کیا! اماں! اس کا نام کیا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ لوگ اس کو " محمد " (ﷺ) کہتے ہیں بڑا جادوگر ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا! وہ محمد تو میں ہوں۔ بڑھیا حیرت زدہ

ہوگئی اور عرض کیا۔ اگر محمد تم ہی ہو تو میں تمہارے خدا پر ایمان لاتی ہوں۔
(یہ بہت مشہور روایت ہے لیکن اس کی سند حاصل نہ ہو سکی)

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے پسندیدہ صفات کو انفرادی اور اجتماعی سطح پر اپنانے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں ایک مثالی اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اپنا بہترین کردار ادا کرنے کی ہمت اور اخلاقی جرأت عطا فرمائے۔ آمین

قارئین سے ایک گزارش ہے کہ اگر وہ اس کتاب سے صحیح معنی میں فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو اس کا سرسری مطالعہ نہ کریں۔ اس میں بعض جگہ قارئین کو لگے گا کہ مضمون کی تکرار ہے یعنی یہ غلطی سے نہیں ہے بلکہ قصداً رکھا گیا ہے تا کہ بات قارئین کی اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

اس کتاب میں جو بھی خوبیاں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ، اس کے محبوبِ کبریا ﷺ کی محبت اور میرے شیخ طریقت پروفیسر ڈاکٹر حافظ منیر احمد خان دامت برکاتہ کی شفقتوں کا نتیجہ ہیں اور جو خامیاں ہیں ان میں میری کوتاہیوں کا دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمتیں اور برکتیں عطا فرمائے اور حقیقی معنوں میں دین کی سمجھ دے اور صحابہ کرام ؓ کی پیروی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنا دے۔ مزید یہ کہ اس کتاب کو کو خود بھی پڑھنے، سمجھنے اور دوسروں کو ترغیب دلانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴿ وما توفیقی الّا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ اُنیب ﴾

(سورۃ ھود ۔ ۸۸)

اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا
اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

طالب دعا
سکندر نقشبندی (عفی عنہٗ)
18/ رجب المرجب 1438ھ بروز ہفتہ
بمطابق 15/ اپریل 2017ء
کیلگیری ۔ کینیڈا
Tel: (001) 647 890 1317
Email: sikander.naqshbandi@gmail.com
Link: https//archive.org/details/@sikander.naqshbandi

قول زریں

انسان کی پہچان
اچھا لباس نہیں بلکہ
اچھا اخلاق اور اس
کا ایمان ہے

قیمتی موتی

اگر جنت میں اپنی مرضی کی زندگی گزارنا چاہتے ہو تو دنیا میں اپنے رب کی مرضی کی زندگی گزارو

اخلاق حمیدہ

انسان کے اندر بعض صفات ایسی ہوتی ہیں جن پر اس انسان کی اخلاقی قدروں کی بنیاد ہوتی ہے۔ جن پر اس کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا انحصار ہے۔ یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ مادی وسائل کی انتہائی کمی کے باوجود مسلمان اخلاقی طور پر بہت بلند مقام پر رہے۔ جن چیزوں کو ہم اسلامی اخلاق کہتے ہیں ان میں ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان شامل ہیں۔ جن کی بنیاد سچائی، انصاف، ہمدردی اور سخاوت پر کھڑی ہے۔ یہ وہ اخلاق ہیں کہ یہ جس قوم میں پائی جائیں وہ قوم لازمی ترقی اور کامیابی کی راہوں پر گامزن ہوگی۔ اسلام میں اخلاق حمیدہ کو بہت اہمیت دی گئی ہے کیونکہ اسی سے کسی بھی مسلمان کے کردار و سیرت میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

وہ علم جو انسان کو یہ بتائے کہ وہ فضائل کیا ہیں جن پر عمل کرنے کی ضرورت ہے اور وہ رذائل کون کون سے ہیں جن سے انسان کو محفوظ رہنا چاہیئے۔ اسے علم الاخلاق کہتے ہیں۔

اخلاق کا تعلق بندے اور خالق کے باہمی رشتہ سے نہیں بلکہ یہ انسان کے انسانوں کے درمیان معاملات کرنے کے اصول وضوابط ہیں۔ اس میں معاشی، معاشرتی، سیاسی اور سماجی تمام قسم کے برتاؤ آجاتے ہیں جو چاہے خاندان کے اندر ہوں یا معاشرے کے دیگر افراد کے ساتھ ہوں۔

اسلامی اخلاقیات کی بنیاد تقویٰ پر ہوتی ہے۔ جب بندہ ہر قدم اٹھانے سے قبل یہ سوچ لے کہ اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند کیا ہے، اس کی رضا کس چیز میں ہے، کس عمل کا کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور اپنا محاسبہ دونوں مدنظر ہونے چاہیئے۔

اخلاق کی اہمیت

امام مالکؒ سے روایت ہے کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(موطاء امام مالک: باب حسن الخلق)

مکارم اخلاق کا مطلب ہے کہ انسان کے اندر بہترین اخلاقی تصورات، اصول اور اوصاف ہوں جن پر ایک پاکیزہ انسانی زندگی اور ایک صالح انسانی معاشرے کی بنیاد قائم ہو۔ نبی کریم ﷺ سے پہلے بھی دنیا کے مختلف خطوں میں اور مختلف اوقات میں انبیاء کرام تشریف لاتے رہے تاکہ لوگوں کے اخلاق کو درست رکھا جائے۔ لیکن کوئی ایسی جامع شخصیت اس وقت تک نہیں آئی تھی جس نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق اخلاق کے اصولوں کو مکمل طور پر بیان فرمایا ہو۔ اور پھر اس پر عمل کر کے ایک کامل نمونہ پیش کیا ہو۔ اس کے علاوہ ریاست اور معاشرے کا کا نظام بھی انہی اصولوں پر قائم کر کے اور اسے عملی طور پر چلا کر بہترین نمونہ پیش کیا ہو۔ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور آخری نبی ﷺ کا

انتخاب کیا تا کہ اسے قیامت تک کے لئے باقی رکھا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے خود اس کام کو اپنی بعثت کا اصل مقصد بتایا۔ اس سے ایک بات معلوم ہوتی ہے کہ ایسا نہیں تھا کہ آپ تشریف تو کسی دوسرے کام کے لئے لائے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی کر دیا۔ بلکہ حقیقی طور پر یہی کام سب سے اہم تھا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مومنوں میں سے ایمان میں کامل ترین وہ ہے جو ان میں اخلاق میں بہتر ہے۔

(سنن ابوداؤد، مشکوۃ: باب حسن الخلق)

حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا! ایمان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! جب نیکی تمہیں مسرت بخشے اور بدی تمہیں غم میں مبتلا کر دے تب تم مومن ہو۔ اس نے کہا! یا رسول اللہ ﷺ! گناہ کسے کہتے ہیں؟ جب تمہارے دل میں کوئی چیز کھٹکے تو اسے چھوڑ دو۔

(رواۃ احمد، مشکوۃ: کتاب الایمان)

اس حدیث میں ایمان کی دو علامات بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ آدمی کو نیکی کا کام کر کے مسرت ہو اور دوسرا برائی کا ارتکاب کر کے دل میں کڑھن اور غم ہو۔ نیکی اور بدی کا معیار اس وقت قائم ہوتا ہے جب ضمیر زندہ ہو۔ ماحول کے غلط اثرات اور بری صحبت کی وجہ سے بداعمالیوں کی وجہ سے اس کا نفس نفس امارہ نہ بن گیا ہو۔ جو

کہ ایک انتہائی خطرناک صورت حال ہے ایسی صورت میں اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ فرماتے ہیں کہ'' رسول اللہ ﷺ نہ تو بے حیائی کی کوئی بات زبان سے نکالتے تھے، اور نہ بے حیائی کا کوئی کام کرتے تھے، اور نہ دوسروں کو برا بھلا کہتے اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جو اخلاق کے اعتبار سے اچھے ہیں۔

(صحیح بخاری و مسلم: باب بدء الخلق)

حضرت معاذ بن جبل ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن بھیجتے ہوئے مجھے جو آخری وصیت رکاب پر پاؤں رکھتے وقت کی، وہ یہ تھی کہ لوگوں کے ساتھ بہتر اخلاق سے پیش آؤں۔ (موطاء امام مالکؒ: باب حسن الخلق)

انسان دنیا میں اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک وہ اوصاف اس کے اندر نہ ہوں جن پر کامیابی کی بنیاد ہے۔ اسلامی اخلاقیات دراصل انسانی اخلاقیات کی تکمیل ہیں۔ اسلامی اخلاق خود غرضی، بے لگام نفسانی خواہشات، ظلم اور بے حیائی سے روکتے ہیں اور خدا ترسی، تقویٰ اور حق پرستی کی صفات پیدا کرتے ہیں۔ انسان کے اندر اخلاقی ذمہ داریوں کا شعور پیدا کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! پہلوان وہ نہیں کو حریف کو میدان میں پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (صحیح مسلم، مشکوۃ: باب الغضب والکبر)

غصہ ایک خطرناک کمزوری ہے۔ شیطان اسی قسم کے ہتھیاروں سے انسان کو برائی اور گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے معاشرے میں ظلم و فساد ہوتا ہے۔ ناگوار باتوں کو جواب دینے میں نفس کو قابو میں رکھ کر تحمل سے کام لینا کامیابی کی دلیل ہے۔ دین کا فریضہ اور خدمت کرنے والے اور معاشرے کی اصلاح کے لئے کام کرنے والے افراد کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ان کے اندر تحمل ہو وہ جلد مشتعل نہ ہوتے ہوں۔ ٹھنڈے دل سے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہو۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ یہ نصیحت آپ ﷺ نے بار بار دہرائی۔

(صحیح بخاری ۔ کتاب الآداب)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تین باتوں کا شمار ایمانی اخلاق میں سے ہوتا ہے۔

۱) جب غصہ آئے تو انسان (مغلوب ہوکر) باطل میں نہ ڈوب جائے۔

۲) جب خوش ہو تو خوشی اسے راہِ حق سے نہ بھٹکا دے۔

۳) اور جب قدرت و اقتدار پائے تو وہ چیز نہ لے لے جس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ (معجم الصغیر للطبرانی: ص ۳۱)

توحید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واللّٰہ خلقکم و ما تعلمون: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے عملوں کو پیدا کیا۔

وماتشائون الا ان یشاء اللّٰہ : یعنی اور تم نہیں چاہتے ہو کسی چیز کو مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جان لو! اگر سب متفق ہو جائیں اس پر کہ تم کو کچھ نفع پہنچا دیں تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے مگر اس چیز کا جو اللہ نے لکھ دیا۔ اور اگر سب متفق ہو جائیں کہ تم کو نقصان پہنچائیں تو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر جو چیز اللہ تعالیٰ نے لکھ دی ہے۔

یہ یقین کر لینا کہ اللہ کے ارادے کے بغیر کچھ نہیں ہوتا ہے۔ اسی کو توحید کہتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران آنحضرت ﷺ گدھے پر سوار تھے اور میں ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آنحضرت ﷺ کے درمیان کجاوے کا حصہ حائل تھا۔ آپ ؐ نے مجھ سے فرمایا! معاذ! جانتے ہو کہ بندے پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! بندوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ اس کی عبادت

کریں اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں، اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں یہ خوشخبری لوگوں کو سنا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! لوگوں کو یہ نہ سناؤ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے (اور عمل کرنا چھوڑ دیں گے)۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے اللہ کو ایک مان لیا اس کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی بھیجی ہوئی رسالت پر ایمان لے آیا اور اس کی عبادت اور پرستش میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا تو اس پر اللہ کا عذاب نہیں ہوگا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آیا اور شرک کا مرتکب نہیں ہوا تو اس پر دوزخ کی آگ بالکل حرام ہو جائے گی، اگر چہ وہ کتنا ہی بدعمل اور بدکار ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اور کفار کی طرح اس پر ہمیشہ کے لئے عذاب مسلط نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں میں رہے گا بلکہ اپنے گناہوں کہ سزا بھگت کر آخر کار جنت میں داخل ہو جائے گا۔

(مظاہر الحق جدید: ج ا ص ۱۱۶)

تقویٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ ﴾

(سورۃ آل عمران ۔ ۱۰۲)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾

(سورۃ التغابن ۔ ۱۶)

پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْداً O

(سورۃ الاحزاب ۔ ۷۰)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی اور درست بات کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً O

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

(سورۃ الطلاق: ۳ ۔ ۲)

جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے لئے نکلنے کا راستہ آسان کرتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يِا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إَن تَتَّقُواْ اللّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَاناً وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ O

(سورۃ الانفال ۔ ۲۹)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو تو وہ تمہیں (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے کی (بصیرت) عطا کر دے گا اور تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا افضل والا ہے۔

حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کیا کرتے تھے!

﴿ اللّٰهُمَّ اِنِّی اَسْأَلُکَ الْهُدَا وَالتُّقٰی وَ الْعَفَافَ وَ الْغِنٰی ﴾

اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت کا، پرہیز گاری (تقویٰ کا)، پاک دامنی کا اور (لوگوں سے) بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم)

حضرت عطیہ سعدی ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! بندہ اہل تقویٰ کے اعلیٰ مقام نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے

جن میں بظاہر کوئی حرج نہیں ہے، اس سے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ان چیزوں میں نہ مبتلا ہو جائے جن میں حرج (گناہ) ہے۔

(مشکٰوۃ: باب الکسب طلب الحلال)

یعنی بعض حلال اور مباح کام بھی ایسے ہوتے ہیں جو احتیاط نہ کرنے کی وجہ سے حرام کاموں کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ہر وہ حلال کام جو حرام کا ذریعہ بن جائے اس سے اجتناب کرنا چاہئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اے عائشہ! حقیر گناہوں سے بچتی رہنا اس لئے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں باز پرس ہوگی۔ (مشکٰوۃ؛ باب البکاء والخوف)

جس طرح گناہ کبیرہ ایک مسلمان کی نجات کو خطرے میں ڈال دیتا ہے اسی طرح صغیرہ گناہ کا معاملہ بھی کم خطرناک نہیں۔ صغیرہ گناہ بظاہر ہلکا نظر آتا ہے لیکن بار بار کیا جائے تو دل زنگ آلود ہو جاتا ہے اور کبائر سے نفرت ختم ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں کہ ''گناہ کو نہ دیکھو کہ کتنا چھوٹا ہے بلکہ اس اللہ تعالیٰ کی بڑائی کو سامنے رکھو جس کی نافرمانی کی تم جسارت کر رہے ہو۔''

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر ظلم کرے نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑے، اور

نہ اس کو حقیر سمجھے۔ تقویٰ یہاں ہے (تین بار) آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا! انسان کے لئے اتنا شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا خون، مال اور آبرو تمام مسلمانوں پر حرام ہے۔ (مشکوٰۃ: باب الشفقۃ)

تقویٰ کا مرکز دل ہے۔ اگر دل میں تقویٰ جڑ پکڑ جائے تو اس کے اثرات پورے جسم سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس کے اعمال نیک ہو جاتے ہیں برائی اور گناہ سے وہ نفرت کرنے لگتا ہے۔ اس کو دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر ہونے لگتی ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ یاد کر لئے ''جو چیز شک میں مبتلا کرنے والی ہو اسے چھوڑ کر اسے اختیار کرو جو شک و شبہ سے بالاتر ہو۔ اس لئے کہ سچائی سراپا سکون اور اطمینان ہے اور جھوٹ سراپا شک اور تذبذب ہے۔''

(مشکوٰۃ: باب الکسب)

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کیا میں تمہیں تم میں سے بہتر لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں! آپ ﷺ نے فرمایا! تم میں بہتر لوگ وہ (متقی) ہیں کہ انہیں دیکھ کر اللہ یاد آئے۔ (مشکوٰۃ: کتاب الحب)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا

وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ﴾

(سورۃ الحج ۔ ۳۷)

اللہ تعالیٰ کو جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، البتہ تمہارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے۔

صحیح نیت

سیدنا عمر بن خطاب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اعمال کے نتائج نیتوں پر موقوف ہیں اور ہر آدمی کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی۔ (صحیح بخاری ۔ کتاب بدءالوحی)

پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے لئے ہوگی، اس کی ہجرت انہی کی طرف سمجھی جائے گی۔ جس نے دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کے غرض سے ہجرت کی تو اس کی ہجرت انہی مقاصد کے لئے ہوگی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ایک لشکر خانہ کعبہ پر چڑھائی کرنے کی نیت سے نکلے گا، جب وہ بیداء (چٹیل میدان) پر پہنچے گا تو اس کو اول و آخر (سب کے سب) زمین میں دھنسا دئے جائیں گے۔ حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں! میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! ان کے اول و آخر یعنی سب کے سب کو کیسے دھنسا دیا جائے گا؟ جبکہ ان میں بازاری لوگ ہوں گے اور وہ بھی ہوں گے جو ان میں سے نہیں ہوں ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا! ان کے اول و آخر (سب کے سب) زمین میں دھنسا دئے جائیں گے۔ پھر وہ اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔ (یعنی قیامت والے دن ان کا معاملہ ان کی نیتوں کے مطابق کیا جائے گا)۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! فتح (فتح مکہ) کے بعد ہجرت نہیں ہے، البتہ جہاد اور نیت باقی ہیں۔ جب تمہیں جہاد پر نکلنے کے لئے طلب کیا جائے تو (بلا تامل) نکل کھڑے ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے پیچھے کچھ لوگ مدینہ میں رہے، ہم جس گھاٹی اور وادی میں چلے (اجر و ثواب) میں وہ ہمارے ساتھ تھے کیونکہ عذر نے انہیں وہاں روک رکھا تھا۔ (یعنی ان کی نیتیں ہمارے ساتھ چلنے کی تھیں)۔ (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں (دل کی نیتوں) اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا ایک آدمی بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے، دوسرا (خاندانی و قبائلی) غیرت کے لئے اور تیسرا ریا کاری کے لئے لڑتا ہے، ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص صرف اس لئے لڑتا ہے کہ اللہ کا کلمہ (دین) بلند ہو وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ لی ہیں۔ پھر اس کی وضاحت فرمائی، پس جس شخص نے کسی نیکی کی نیت کی لیکن اسے کر نہیں سکا اللہ تعالیٰ اپنے پاس ایک کامل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر وہ اپنی نیت کے مطابق کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں سے لے کر سات سو گنا، بلکہ اس سے زیادہ نیکیوں کا ثواب اس کے لئے لکھ دیتا ہے۔ اور اگر کسی نے کسی برائی کی نیت کی لیکن اسے کیا نہیں تو اللہ تعالیٰ اسے بھی اپنے پاس ایک کامل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر اس نے اپنی نیت کے مطابق برائی کر لی تو اللہ تعالیٰ ایک ہی برائی لکھتا ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

بہت سے لوگ نیک عمل کرتے ہیں لیکن نیت کرنا بھول جاتے ہیں اور بعض اوقات ان کا پورا عمل باطل ہو جاتا ہے۔ انسان کے بعض عمل ایسے ہوتے ہیں جو وہ روزمرہ کی زندگی میں اپنے معمول میں کرتا ہے اگر وہ اس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی کے مطابق صرف نیت کر لے تو وہ اس کام کے دنیاوی فائدے کے ساتھ ساتھ آخرت میں اجر کا مستحق بھی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو مسعود ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب کوئی مسلمان اپنے بیوی بچوں کی ذات پر ثواب سمجھ کر مال خرچ کرتا ہے تو اس کے لئے یہ صدقہ ہو جاتا ہے۔ (صحیح بخاری - کتاب الایمان)

بعض اوقات انسان اپنے دوست یا بھائی کے ساتھ کھیلتا ہے۔ یہ چیز اس کے اجر کا باعث ہو سکتی ہے کہ وہ اس کھیل میں اپنے مسلمان بھائی کا دل خوش کرنے کی نیت کر لے۔ اسی طرح سے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اچھا وقت گزارنے کے وقت ان کو خوش کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی نیت کر لے تو اس کو اس پر بھی اجر ملے گا۔ اگر انسان گھر کے لئے ضرورت کی چیزیں خریدنے پر اللہ تعالیٰ سے اجر وثواب کی امید کر لے تو وہ اس پر بہت اجر پا سکتا ہے۔ ایسے ہی جب اپنے اہل خانہ پر واجب یا غیر واجب اخراجات کرتا ہے تو اس پر نیک نیت رکھنے سے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔

امام نووی ؒ فرماتے ہیں! یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مباح کام سچی نیتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے قرب اور اطاعت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بیوی کے ساتھ

ہم بستری کرنا بھی اس وقت عبادت بن جاتا ہے کہ جب اس کی نیت بیوی کا حق ادا کرنے کی ہو۔ ایسے میں اس کے ساتھ اچھے طریقے سے سلوک کرنا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے یا نیک اولاد کی خواہش کرنا، یا اپنے نفس کی پاکدامنی چاہنا یا اپنی بیوی کی پاک دامنی کی نیت کرنا، دونوں کو حرام کاری کی نظر سے روکنا یا ایسی سوچ اور خیالات سے روکنے کی کوشش کرنا سب نیک مقاصد میں شامل ہوتے ہیں۔

(شرح نووی: ۹۲/۷)

بلاشبہ عام انسان ایک دن میں کئی کام کرتا ہے۔ وہ روزگار پر جاتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، سوتا ہے، ہنسی مذاق کرتا ہے، لوگوں سے بات چیت کرتا ہے، خرید وفروخت کرتا ہے، لوگوں کی ادائیگیاں کرتا ہے وغیرہ۔

ان تمام چیزوں میں اگر کرنے سے پہلے اچھی نیت کر لے تو یہ تمام کام عبادت میں شمار ہو سکتے ہیں۔

اخلاص

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ O أَلَا لِلَّهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ﴾

(سورۃ الزمر: ۳ ۔ ۲)

تو آپ اللہ کی عبادت کرتے رہیں اسی کے لئے اپنی بندگی کو خالص رکھتے ہوئے۔ لوگو سن لو! خالص بندگی اللہ ہی کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ O

(سورۃ غافر ۔ ۱۴)

تو اللہ کی عبادت کرو اسی کے لئے اپنی بندگی کو خالص رکھتے ہوئے۔ اگرچہ کافروں کو ناگوار ہی ہو

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنِّيْ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصاً لَّهُ الدِّيْنَ O

(سورۃ الزمر ۔ ۱۱)

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اسی کے لئے اپنی بندگی کو خالص کرتے ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاء)

(سورۃ البیّنہ ـ ۵)

حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔

یعنی اور ان کو نہیں حکم ہوا اس بات کا کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی خالص کرنے والے ہوں اس کے واسطے دین اور ہر طرف سے منہ پھیرے ہوئے ہوں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

﴿ ان اللّٰہ لا ینظر الیٰ صورکم و اموالکم و لکن ینظر الیٰ نیاتکم و اعمالکم ﴾

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہاری نیتوں اور اعمال پر نظر کرتا ہے۔

اپنی طاعت میں صرف اللہ کی قربت اور اس کی رضا مقصود ہونی چاہئے۔ مخلوق کی خوشنودی اور رضا مندی یا کسی نفسانی و مالی یا دلی خواہش کو مقصد نہیں بنانا چاہئے۔ ریاکاری سے پرہیز ہی اخلاص پیدا کرتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اخلاص میرا ایک راز ہے جسے میں اپنے اس بندے کے دل میں رکھتا ہوں جس سے مجھے محبت ہوتی ہے۔

چاہے کیسا ہی نیک کام ہو، چاہے کتنا ہی چھوٹا ہوا گر خلوص کے ساتھ ہو تو اس میں برکت ہوتی ہے چاہے اس میں کسی نے بھی مدد نہ کی ہو۔ جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا۔

حدیث میں آیا ہے کہ میرے صحابی اگر نصف مُد (یعنی آدھا سیر) جُو اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو دوسروں (غیر صحابی) کے احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کے اندر خلوص اور محبت اس قدر تھا کہ بعد والوں کے اندر اتنا نہیں ہے۔ اس لئے ان کے صدقات اور نیکیوں کو کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اخلاص کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف اللہ کے لئے کام کرے مخلوق کا اس سے تعلق ہی نہ ہو۔ اس سے کم یہ ہے کہ مخلوق کو راضی کرنے کی کوشش کرے مگر دنیوی غرض نہ ہو صرف اس کا خوش کرنا مقصد ہو۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ کچھ نیت نہ ہو، نہ دنیا اور نہ دین، خالی الذہن ہو کر کوئی عمل کیا اس میں اگر ریا کاری نہیں ہے تو مقبول ہے۔

اخلاص دراصل نام ہے اللہ پر ایمان لانے کا، اس کا زبان سے اقرار کرنے کا اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا۔ یہ شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ لاشریک ہے۔ وہی خالق ہے رازق ہے، زندگی اور موت اسی کے ہاتھوں میں ہے۔ اخلاص کے مفہوم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا بندہ اور آخری رسول و نبی تسلیم کیا جائے۔ ان کے علاوہ پہلے جتنے نبی و رسول دنیا میں تشرف لائے ہیں سب برحق ہیں، جنت و دوزخ برحق ہے،

روزِ جزاء برحق ہے۔ ایک دن سب کو لوٹ کر واپس جانا ہے۔

دین کا جو کام کرے اللہ کی رضا کے لئے کرے، اس میں کوئی دنیاوی مطلب یا غرض نہ ہو، دکھلاوے کے لئے نہ ہو۔ ریا کاری سے عمل کا ثواب ختم ہو جاتا ہے۔ نیت کے غلط ہونے سے اس کے ثواب میں فرق پڑتا ہے۔ مثلاً اس نیت سے روزہ رکھا کہ معدہ ٹھیک اور ہلکا ہو جائے گا۔ وضو کیا کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے گی۔ سائل کو اس سے جان چھڑانے کیلئے نہ دے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص لوگوں کے دکھلانے کے لئے عمل کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیب لوگوں کو دکھلائیں گے۔ ریا کاری کو ایک طرح کا شرک کہا گیا ہے۔ لیکن ریا کاری کے خوف سے اچھے عمل کو چھوڑ دینا بھی ریا کاری ہے۔ اخلاص کے ساتھ اچھی نیت سے نیک کام کرتا رہے۔ شیطان دل میں وسوسہ ڈال کر اچھے اچھے کاموں سے روکتا ہے کہ یہ نیک کام کرو گے تو دکھاوا ہو جائے گا۔ جس طرح مخلوق کو دکھانے کے لئے کوئی کام کرنا ریا ہے۔ اسی طرح دیکھنے والوں کے خوف سے کوئی نیک عمل ترک کرنا بھی ریا ہے۔ ریا کا وسوسہ آنے سے ریا کاری نہیں ہوتی اگر دکھلاوے کا ارادہ نہ ہو۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتی، شروع میں کوئی کام ریا سے کرتا ہے پھر ریا سے یہ عادت بن جاتی ہے پھر عادت عبادت اور اخلاص میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

توبہ و استغفار

جب حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجا جانے لگا تو ان کے دنیا میں آنے سے پہلے شیطان یہ چیلنج کر کے آیا تھا کہ یا اللہ! میں تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا اور انہیں جہنم تک پہنچا کر چھوڑوں گا۔ کیونکہ انسان میرا حریف ہے اس کی وجہ سے میں اپنے بلند مقام سے معزول کر دیا گیا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا! اے اللہ! آپ نے میرے دشمن شیطان کو اتنی طاقت دے کر بھیجا ہے جتنی طاقت میرے اور میری اولاد کے پاس نہیں ہے۔ یہ مختلف شکلیں اختیار کر سکتا ہے، ایسے طریقہ سے آ سکتا ہے کہ ہم اس کو نہیں دیکھ سکیں گے مگر وہ ہمیں دیکھ لیتا ہے۔ وہ جن ہے اور ہم انسان ہیں۔ ہماری اور اس کی خاصیتوں میں فرق ہے وہ ہمیں جہنم میں دھکیل دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا! اے آدم (علیہ السلام)! بے شک ہم نے اسے بہت سی طاقتیں دے رکھی ہیں۔ لیکن ان طاقتوں سے مقابلہ کرنے کا ہتھیار تمہیں دیتے ہیں۔ جب تک اس ہتھیار کو استعمال کرتے رہو گے شیطان کا کوئی حملہ کارگر ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس ہتھیار کا نام " استغفار " ہے۔ جب بھی کبھی گناہ ہو جائے اپنے سچے دل سے " **استغفر اللّٰہ** " کہہ لیا کرو۔

جو لوگ استغفار کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نہیں بھیجتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ O

(سورۃ الانفال ۔ ۳۳)

اللہ تعالیٰ لوگوں کو عذاب نہیں دیتا جبکہ وہ استغفار کرتے ہوں

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں گناہ کے جذبات رکھے ہیں اور گناہوں میں لذتیں بھی رکھی ہیں۔ ان گناہوں سے بچنا آسان کام نہیں، آدمی بے اختیار ان کی طرف لپکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے دروازے بھی کھلے رکھے ہیں کہ اگر کوئی انسان اپنے جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی گناہ کا کام کر بیٹھتا ہے اور پھر اس پر شرمندہ ہو کر سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ توبہ کرنے والا شخص گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً ﴾

(سورۃ التحریم ۔ ۸)

یعنی اے ایمان والو، اللہ کی طرف خالص توبہ کرو، شاید تمہارا رب تمہارے گناہ دور کر دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعاً أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾

(سورۃ النور ۔ ۳۱)

اور اللہ کی طرف توبہ کرو۔ اے مسلمانوں سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! **یا ایھا الناس توبو ا الی اللّٰہ**

اے لوگو! اللہ کی طرف خالص توبہ کرو۔ (رواۃ مسلم)

اپنے خطا کو یاد کر کے اس پر دکھ ہونا اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا اور خواہش کے وقت نفس کو برائی سے روکنا توبہ کہلاتا ہے۔

توبہ کے معنی رجوع کرنے اور بھلائی کی طرف لوٹ آنے کے ہیں۔ مگر اس کے لئے بھی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا ہے۔ ابتداء تو یہ ہے کہ قلب پر نور معرفت کی شعائیں پھیل جائیں اور دل کو گناہ کے نقصانات سے آگاہی ہو جائے اور پھر خوف وندامت پیدا ہو۔ گناہ کی تلافی کرنے کی سچی اور خالص لگن پیدا ہو جائے اور اس گناہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے۔ آئندہ کے لئے اس گناہ سے بچنے اور پرہیز کرنے کا پکا ارادہ کرے۔ ہر گناہ سے توجہ واجب ہے۔

توبہ کی حقیقت یہی ہے کہ گناہوں کو آخرت کی زندگی کے لئے انتہائی مضر سمجھے۔ جو شخص شریعت میں بتائے ہوئے طریقہ سے توبہ کرے، آئندہ اپنے اعمال درست رکھے، یعنی تمام برائیوں کو چھوڑ دے اور شریعت کے مطابق چلتے ہوئے اپنی توبہ پر قائم رہے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرمائے گا، اس کے پچھلے گناہ معاف کریں گے، توبہ پر استقامت عطا فرمائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر کوئی زمین و آسمان کے برابر بھی گناہ لے کر میرے پاس آئے اور مجھ سے مغفرت چاہے تو میں سب بخش دوں گا اور گناہ کی کثرت کی پرواہ نہیں کروں گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس شخص نے گناہ ہی نہ کیا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ہر روز ستّر مرتبہ استغفار کرتا ہوں جبکہ انبیاء کرام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں پھر بھی آپ ﷺ استغفار فرما رہے ہیں۔ انبیاء کرام اور اکابرین کی یہ حالت ہے تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ اس کی پرواہ نہ کریں کہ توبہ ٹوٹ جائے گی۔ اگر توبہ ٹوٹ جائے تو دوبارہ توبہ کر لے لیکن دل سے کرے اور اور اس پر قائم رہنے کی نیت سے کرے۔ اگر خلوصِ نیت سے توبہ کی ہے تو بار بار ٹوٹے تو بھی کچھ پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں ہی میں شمار کیا جائے گا۔

توبہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے گذشتہ گناہوں پر معافی مانگے اور شرمندہ ہو اور جو حقوق العباد اس کے ذمہ ہیں ان کو فوراً پورا کرے، آئندہ کسی کی حق تلفی نہ کرنے کا عزم کرے۔ اگر پھر بھی گناہ ہو جائے تو فوراً دو رکعت نماز توبہ کی نیت سے پڑھے اور پھر توبہ کرے، زبان سے بھی اور دل سے بھی اور اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگے۔ توبہ کرنے کے بعد جان جان کر اس گناہ کو بار بار یاد نہ کرے۔ سچی توبہ کے بعد از خود پرانے گناہ یاد آ جائیں تو توبہ کی تجدید کر کے اپنے کام میں مصروف

ہو جائے۔ توبہ کرتے وقت اپنے گناہوں کی بہت زیادہ تفصیل بیان نہ کرے۔ سرسری طور پر ذکر کرے کہ میں اس گناہ سے بھی توبہ کرتا ہوں اوراُس گناہ سے بھی اور اس گناہ سے بھی جس کو نہیں جانتا۔ سوچ سوچ کر گناہوں کو یاد کرنے کے بجائے کہہ دے کہ میں اپنے تمام گناہ دانستہ یا نا دانستہ سب سے توبہ کرتا ہوں۔ بنیادی مقصد اللہ کو یاد کرنا ہے۔ گناہوں کو یاد کرنے کا مقصد توبہ ہےاور جب مقصد حاصل ہو گیا تو پھر لذت لینے کے لئے گناہ کو یاد کرنا حرام ہے۔ اگر خود بخود یاد آنے لگے تو "انا للّٰہ" پڑھ لے کہ اس وقت اناللہ۔۔ پڑھنے سے وہی ثواب ہوگا جو عین مصیبت کے وقت پڑھنے سے ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں گناہوں سے متعلق جو وعیدیں آئی ہیں ان کو یاد کرے اور سوچے اس سے دل میں گناہوں سے نفرت پیدا ہوگی۔

توبہ کرنے والے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے کبھی بھی اس قدر بےخوف نہیں ہونا چاہئے کہ اسے جائز و ناجائز کام کی پرواہ ہی نہ رہے، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بھڑکائے گا۔

امام مسلمؒ نے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے وقت اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کرلے اور دن کے وقت ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کرلے یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔

امام ابن ماجہؒ نے روایت نقل کی ہے کہ اگر تم اتنے گناہ کرو کہ تمہارے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم توبہ کرلو تو اللہ تمہاری توبہ کو پھر بھی قبول فرما لے گا۔

امام ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، اور حاکم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ لوگ ہوتے ہیں جو توبہ کرلیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ " الندم توبة " گناہ سے دل کا نادم اور شرمندہ ہوکر بے چین ہو جانا ہی توبہ ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب کسی بڑے آدمی کا کچھ قصور ہو جاتا ہے تو کس طرح اس سے معذرت کرتے ہیں۔ ہاتھ جوڑتے ہیں اس کے پاؤں پکڑتے ہیں، پاؤں میں ٹوپی ڈال دیتے ہیں اور خوشامد کے الفاظ کہتے ہیں، رونے کا سامنہ بناتے ہیں۔ وہ تو دنیا کا ایک انسان ہوتا ہے۔ جب اللہ کا قصور ہو جائے تو کم از کم اس انسان کے ساتھ جس طرح معذرت کرتے ہیں اس طرح تو کریں جبکہ اللہ کی طاقت کا کسی سے مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اللہ بڑا مہربان ہے اس نے وعدہ کیا ہے کہ جو اس سے توبہ کرے گا وہ ضرور معاف کردے گا۔ قرآن وحدیث میں جو اللہ کے عذاب کے تذکرے ہیں ان کو پڑھنا چاہیئے اور یاد کرنا چاہیئے۔ دل میں گناہوں سے بے زاری اور نفرت کرنی چاہیئے۔

توبہ اور استغفار کے بے شمار فائدے ہیں، استغفار عبادت بھی ہے، گناہوں سے معافی کا ذریعہ بھی ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔ استغفار ایک ایسا عمل ہے جس کے لئے کوئی مقررہ وقت نہیں ہے یہ ہر وقت اور ہر جگہ کی جا سکتی ہے۔ اس کے لئے باوضو ہونا بھی ضروری نہیں۔ کتنے گناہ ایسے ہیں جو ہم جان بوجھ کر کرتے ہیں اور کتنے گناہ ایسے ہیں جو ہم غفلت میں کرتے ہیں، بعض اوقات ہمیں اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہم گناہ کر رہے ہیں یا ہم اس کام کو گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ ایسی حالت میں جب بھی خیال آئے تو دل میں ندامت محسوس کر کے اللہ سے رجوع کرے اور زبان سے استغفار کرنی چاہئے۔ اور کہیں کہ اے اللہ ! میں بہت شرمندہ ہوں مجھے معاف کر دیجئے اور آئندہ بھی مجھے اس سے محفوظ رکھئے۔

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس شخص سے زیادہ خوش ہوتا ہے جس نے کسی جنگل بیابان میں اپنا اونٹ گم کر دیا ہو اور پھر اسے پا لیا ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی دعا اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک اسے غرغرہ شروع نہ ہو (یعنی نزع اس پر طاری نہ ہو)۔

(جامع ترمذی)

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص تھا اس نے ننانوے (۹۹) قتل کئے تھے۔ اس کے دل میں توبہ کا خیال آیا تو اس نے روئے زمین میں سب سے بڑے عالم کے بارے میں لوگوں سے پوچھا تو اسے ایک راہب (پادری) کا پتہ بتایا گیا۔ اس قاتل نے اس سے جا کر پوچھا کہ میں نے ننانوے قتل کئے ہیں۔ کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس راہب نے کہا! نہیں۔ اس نے اس راہب کو بھی قتل کر کے سو کی تعداد پوری کر لی (پھر اس کو اس بات کا افسوس ہوا)۔ اس نے پھر لوگوں سے پوچھا کہ مجھے سب سے بڑے عالم کے بارے میں بتاؤ؟ اسے ایک عالم کے بارے میں بتایا گیا وہ اس کے پاس گیا اور اس سے یہی سوال پوچھا؟ اس عالم نے کہا! ہاں۔ کون ہے جو اس کے اور اس کی توبہ کے درمیان حائل ہوسکتا ہے۔ جا فلاں جگہ چلا جا وہاں کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو بھی ان لوگوں کے ساتھ اللہ کی عبادت کر اور اپنی زمین کی طرف واپس نہ آنا، یہ برائی کی زمین ہے۔ چنانچہ اس نے نیکیوں کی اس بستی کی طرف سفر شروع کر دیا ابھی اس نے آدھا راستہ ہی طے کیا تھا کہ اسے موت آگئی (اسکی روح کو لینے کے لئے) رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے دونوں ہی آگئے اور ان کے مابین اختلاف شروع ہوگیا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا کہ یہ تائب ہو کر آیا تھا اور دل کی پوری توجہ سے اللہ کی طرف آنے والا ہے۔ عذاب کے فرشتے بولے کہ اس نے کبھی بھلائی کا کام شروع نہیں کیا (اس لئے عذاب کا مستحق ہے)۔ ان فرشتوں کے درمیان یہ جھگڑا جاری تھا کہ ایک فرشتہ

انسان کی شکل میں آیا، اسے انہوں نے اپنا منصف بنایا۔ اس نے فیصلہ دیا کہ دونوں زمینوں کے درمیان مسافت کو ناپو (جس علاقے سے وہ آیا تھا وہاں سے یہاں تک کا فاصلہ اور یہاں سے نیکیوں کے علاقے کا فاصلہ، دونوں کی پیمائش کرو) ان دونوں میں سے وہ جس کے قریب ہو وہی اس کا حکم ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے پیمائش کی تو انہوں نے اس زمین کو زیادہ قریب پایا جس کی طرف وہ نیکی کے ارادے سے جا رہا تھا۔ پس اسے رحمت کے فرشتوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔

(متفق علیہ)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ وہ نیکی کی طرف کی بستی کی طرف ایک صرف بالشت زیادہ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنسے گا، جن میں سے ایک نے دوسرے کو قتل کیا ہوگا اور وہ دونوں جنت میں داخل ہوں گے۔ ایک قتل ہونے والا اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے کافر قاتل کو توبہ کی توفیق دی اور وہ مسلمان ہو کر اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ ؓ کی توبہ

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے!

وَعَلَى الثَّلاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُواْ حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّواْ أَن لاَّ مَلْجَأَ مِنَ اللّهِ إِلاَّ إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُواْ إِنَّ اللّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ O يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَكُونُواْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ O

(سورۃ التوبہ : ۱۱۹ ـ ۱۱۸)

اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگی کرنے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے اور پھر ان کے حال پر توبہ فرمائی تا کہ وہ آئندہ بھی رجوع کیا کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ فرمانے والے بڑے رحم والے ہیں۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

ابن کعب سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک میں اپنے شریک نہ ہونے کی داستان اور نبی کریم ﷺ کا ساتھ نہ دینے کا واقعہ کعب بن مالک ؓ یوں بیان فرماتے ہیں! میں غزوہ تبوک کے سوا اور کسی جنگ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہونے سے

محروم نہیں رہا۔ جنگِ بدر میں بھی میں شریک نہ ہو سکا تھا لیکن اس میں شریک نہ ہونے والوں پر کوئی عتاب نہیں ہوا تھا۔ بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے ایک قافلہ کی خاطر مدینہ سے نکلے تھا وہاں اللہ کی مرضی سے دشمنوں سے تصادم ہو گیا۔ اس کے لئے کوئی قرارداد بھی نہیں تھی۔ میں لیلۃ العقبہ (بیعت عقبہ) میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا جب کہ اسلام پر ہم نے عہد و پیمان باندھا تھا۔ میرے لئے لیلۃ العقبہ میں حاضری غزوہ بدر کی حاضری سے کہیں زیادہ پسند تھی۔ اگرچہ بدر کی شہرت اور آواز لوگوں میں بہت زیادہ ہے۔

اب غزوہ تبوک میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شرکت سے محروم رہنے کا میرا یہ واقعہ ہے کہ جس زمانے میں میں غزوہ تبوک میں شرکت سے پیچھے رہ گیا اس وقت میں انتہائی خوش حالی اور مالداری میں تھا۔ اس سے پہلے دو سواریاں میرے پاس کبھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس جنگ میں میں دو سواریاں رکھ سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنگ کا ارادہ فرماتے تو عام طور پر اس خبر کو پوشیدہ رکھتے۔ جب یہ جنگ ہوئی تو بڑی گرمی کا زمانہ تھا۔ دور دراز اور جنگلوں کا سفر درپیش تھا اور دشمن کے بہت بڑے لشکر سے مقابلہ تھا۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو اپنے معاملات میں آزاد رکھا تھا کہ جس طرح چاہیں دشمن سے مقابلہ کی تیاری کریں۔ آپ ﷺ نے اپنا ارادہ مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور مسلمان بڑی تعداد میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔ حضرت کعب ؓ فرماتے ہیں کہ بہت کم ایسے لوگ ہوں گے جن کی

غیر حاضری کا نبی کریم ﷺ کو علم ہوسکتا تھا۔ بلکہ یہی گمان تھا کہ لشکر کی کثرت کی وجہ سے لشکر سے غائب ہونے کا نبی کریم ﷺ کو علم بھی نہیں ہوسکے گا۔ جب تک اللہ ہی کی طرف سے بذریعہ وحی علم نہ ہو جائے۔ یہ لڑائی اس موقع پر ہوئی جب پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا۔ ایسے زمانے میں میری طبیعت آرام طلبی اور راحت گیری کی طرف مائل ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ میں ہر روز صبح اٹھ کر جہاد کی تیاری کے لئے نکلتا لیکن خالی ہاتھ واپس آ جاتا۔ تیاری اور سفر کے اسباب کی خریداری نہ کرتا۔ دل میں خیال کرتا کہ جب میں چاہوں گا فوراً کرلوں گا کیونکہ مال کا مجھے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ دن گزرتے چلے گئے لوگوں نے تیاریاں مکمل کرلیں۔

حتیٰ کے نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ میں نے کہا کہ ایک دو دن میں میں بھی تیاری کر کے ان سے مل جاؤں گا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں کا لشکر کافی دور چلا گیا۔ میں تیاری کے لئے باہر نکلا لیکن بغیر تیاری کے واپس آ گیا، ہر روز یہی ہوتا رہا اور دن نکل گئے۔ لشکر میدان جنگ تک پہنچ گیا اور جنگ بھی شروع ہوگئی۔ اب میں نے کوچ کا ارادہ کیا کہ جلدی سے وہاں پہنچ کے ان کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔ کاش! اب بھی کوچ کر جاتا لیکن اب بھی یہ نہ ہوسکا۔ اب نبی کریم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب کبھی میں بازار میں نکلتا کہ مجھے یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا کہ جو بھی مسلمان نظر آتا ہے اس پر منافقت کی پھٹکار ہوتی

ہے یا پھر ایسے مسلمان نظر آتے ہیں جو واقعی مجبور یا معذور تھے۔ جب نبی کریم ﷺ تبوک پہنچے تو انہوں نے مجھے یاد فرمایا! پوچھا کی کعب بن مالک کیا کر رہا ہے؟ تو بنی سلمہ کے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اس کو خوش حالی اور آرام طلبی نے مدینہ میں روک رکھا ہے تو معاذ بن جبل ؓ نے کہا کہ تم نے غلط خیال کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! اسے تو بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں آتا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ معرکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لانے لگے تو میں سخت پریشان تھا کہ اب کیا کروں۔ میں غلط حیلے بہانے سوچنے لگا تا کہ آپ ﷺ کے عتاب سے محفوظ رہ سکوں۔ چنانچہ ہر ایک سے رائے لینے لگا۔ اس دوران معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ واپس تشریف لا چکے ہیں تو میں غلط سوچ بچار سے دست بردار ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح سے یقین ہو گیا تھا کہ میں کسی غلط بہانے سے بچ نہیں سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ کہنے کا ارادہ کر لیا۔

نبی کریم ﷺ جب سفر سے واپس آئے تو سب سے پہلے مسجد نبوی میں گئے۔ وہاں دو رکعت نماز پڑھی پھر لوگوں کے ساتھ مجلس کی۔ اب جنگ میں نہ شریک ہونے والے آ آ کے معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے۔ ایسے لوگوں کی تعداد اسی (۸۰) سے کچھ اوپر تھی۔ نبی کریم ﷺ بحکم ظاہر ان کی باتوں کو قبول کئے جا رہے تھے۔ ان کی کوتاہیوں کے لئے مغفرت طلب کرتے جا رہے تھے۔ لیکن ان کے دلوں کے بھید کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر رہے تھے۔ میری باری

آئی تو میں نے آکر سلام عرض کیا۔ آپ ﷺ نے غضب ناک تبسم فرمایا! پھر مجھ سے کہا، یہاں آؤ! میں سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ مجھ سے فرمایا! تم کیوں رکے رہے کیا تم نے جہاد کی خریداری اور تیاری نہیں کر لی تھی۔ میں نے کہا! یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں اس وقت آپ ﷺ کے سوا کسی اور سے بولتا تو ایسے معقول عذر پیش کر سکتا تھا کہ ان کو قبول کرتے ہی بنتی۔ کیونکہ مجھے بحث و تکرار اور معذرت کرنا خوب آتا ہے لیکن اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ اس وقت تو جھوٹی بات بنا کر آپ (ﷺ) کو راضی کر لوں گا لیکن جلد ہی اللہ تعالیٰ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا۔ اور اگر میں نے سچ سچ کہہ دیا تو مجھے آپ ﷺ سے حسن سلوک کی امید ہے۔

یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں کوئی معقول عذر نہیں رکھتا اور میرے پاس جنگ میں نہ شرکت کرنے کا کوئی بہانہ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! یہ تم سچ کہتے ہو۔ اچھا تو اب چلے جاؤ اور انتظار کرو کہ اللہ تمہارے بارے میں کیا حکم فرماتا ہے۔ چنانچہ میں واپس آ گیا۔ بنی سلمہ کے لوگ بھی میرے ساتھ اٹھے اور میرے ساتھ ہو لئے۔ کہنے لگے اللہ کی قسم! ہم نے تمہیں پہلے کبھی کوئی خطا کرتے نہیں دیکھا۔ دوسرے لوگوں نے جیسے عذر پیش کئے تھے تم نے حضور ﷺ کے سامنے کبھی بھی کوئی عذر پیش نہیں کیا ورنہ نبی کریم ﷺ نے دوسروں کے لئے جیسے استغفار کیا تھا تمہارے لئے بھی حضور ﷺ کا یہ استغفار کافی ہوتا۔ غرض یہ کہ ان لوگوں نے اس بات پر اس قدر زور دیا کہ میں نے ایک بار پھر ارادہ کر لیا کہ ایک بار

پھر جاؤں اور کوئی عذر تراش دوں۔ لیکن میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ میری طرح کیا کسی اور کی بھی یہ صورت حال ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں تمہاری طرح دو اور آدمی ہیں جنہوں نے سچ سچ کہہ دیا۔ میں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع العامری ؓ اور ہلال بن امیہ واقفی ؓ۔ کہا گیا کہ یہ دونوں مرد صالح ہیں، جنگ بدر میں شریک تھے، اب میرے سامنے ان کا نقش قدم تھا۔ اس لئے میں دوبارہ نبی کریم ﷺ کے پاس نہیں گیا۔

اب معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے ہم تینوں سے سلام و کلام کرنے سے لوگوں کو منع فرما دیا۔ اب لوگوں نے ہمارا مکمل بائیکاٹ کر دیا اور وہ ہم سے ایسے بدل گئے کہ ہمارا زمین پر رہنا بوجھ معلوم ہونے لگا۔ اسی طرح ہم پر اس ترک تعلقات کے پچاس دن گزر گئے۔ ان دونوں نے تو منہ چھپا کر خانہ نشینی اختیا کر لی۔ گھر میں روتے اور دعائیں کرتے رہتے تھے۔ میں ذرا سخت جان تھا اور میرے اندر قوت برداشت بھی زیادہ تھی۔ میں جا کر جماعت کے ساتھ برابر نماز پڑھتا تھا، بازاروں میں گھومتا تھا، لیکن مجھ سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے پاس آتا، ان کو سلام کرتا اور دیکھتا کہ نبی کریم ﷺ کے ہونٹ ہلتے ہیں کہ نہیں۔ پھر ان کے قریب ہی نماز پڑھ لیتا۔ میں کنکھیوں سے آپ ﷺ کو دیکھتا، میں نماز پڑھنے لگتا تو آپ ﷺ مجھے دیکھتے اور جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ ﷺ نظریں دوسری طرف کر لیتے تھے۔ جب اس بائیکاٹ کی مدت لمبی ہوتی

گئی تو میں ابوقتادہ ؓ کی دیوار پھاند کران کے ہاں گیا وہ میرے چچازاد بھائی تھے، میں انہیں بہت چاہتا تھا۔ سلام کیا تو واللہ! انہوں نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا اے ابوقتادہ! تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ کواور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہوں۔ یہ سن کر وہ خاموش رہے۔ میں نے اللہ کی قسم دے کر بات کی لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ بولے۔ میں نے پھر قسم دی، پھر بھی انہوں نے کچھ بھی نہ کہا لیکن انجانے پن سے بولے اللہ کواور اس کے رسول ﷺ کو علم ہے۔ میں پھوٹ پھوٹ کررونے لگا اور دیوار پھاند کر واپس آ گیا۔

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جارہا تھا کہ ملک شام کا ایک قبطی جو مدینہ کے بازار میں کھانے کی کچھ چیزیں بیچ رہا تھا لوگوں سے کہنے لگا کہ کعب بن مالک کا کوئی پتہ دے دو۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا وہ میرے پاس آیا اور شاہِ غسان کا ایک خط میرے حوالے کر دیا۔ میں لکھنا پڑھنا جانتا تھا۔ میں نے وہ خط پڑھا اس میں لکھا تھا!

”ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے۔ اللہ نے تم کو کوئی معمولی آدمی نہیں بنایا، تم کوئی گرے پڑے شخص نہیں ہو، تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تم کو نوازیں گے۔“

میں نے خط پڑھ کر کہا کہ ایک مصیبت اور آ پڑی۔ یہ نئی مصیبت ہے۔ میں نے اس خط کو آگ میں جھونک دیا۔ جب پچاس میں سے چالیس دن گزر گئے

تھے تو رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی عورتوں سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ کیا حکم ہے کہ طلاق دے دوں۔ کہا کہ نہیں! صرف ان سے الگ رہو، قربت نہ کرنا۔ اور کہا کہ دوسرے دونوں کے بارے میں بھی یہی حکم ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ اپنے میکے چلی جاؤ۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی اور حکم آجائے۔

ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہلال ایک عمر رسیدہ شخص ہیں ان کی خدمت کے لئے کوئی دوسرا نہیں ہے اگر میں ان کی خدمت میں لگی رہوں تو آپ ﷺ اسے نا منظور تو نہیں کریں گے۔ نبی کریم ﷺ کے فرمایا کہ ٹھیک ہے لیکن وہ تم سے قربت نہ کریں۔ کہنے لگیں کہ اس غریب کے لئے کو ہلنا جلنا مشکل ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ کی ناراضگی کے دن سے آج تک لگا تار رو رہے ہیں۔ میرے گھر والوں میں سے کسی نے کہا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی سے خدمت لینے کی اجازت لے لو۔ جیسے کہ ہلال رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی ہے۔ میں نے کہا! اللہ کی قسم! میں اس بات کی نبی کریم ﷺ سے کبھی درخواست نہیں کروں گا۔ نہ معلوم نبی کریم ﷺ کیا فرمائیں۔ میں تو جوان آدمی ہوں مجھے کسی کی خدمت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب ہم نے اور دس دن گزارے اور لوگوں کے قطع تعلق کو پچاس دن گزر گئے تھے۔ پچاسویں دن کی صبح میں اپنے گھر کی چھت پر صبح کی نماز پڑھ کر اس حال میں بیٹھا ہوا

تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ یعنی میری جان مجھ پر بھاری معلوم ہو رہی تھی، یہ وسیع دنیا مجھے تنگ محسوس ہو رہی تھی کہ سلع پہاڑی پر سے ایک پکارنے والے کی آواز میرے کانوں میں پڑی کہ وہ بلند آواز میں چیخ رہا تھا۔ اے کعب بن مالک خوش ہو جا! میں یہ سنتے ہی سجدہ میں گر گیا اور سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے توبہ قبول کر لی۔ مصیبت کا زمانہ گزر گیا۔ صبح کی نماز پڑھنے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ اطلاع لوگوں کو سنا دی کی اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کی توبہ قبول کر لی ہے۔ لوگ ہمیں خوش خبری دینے کے لئے دوڑے، میرے علاوہ ان دونوں کے پاس بھی گئے۔ میرے پاس بھی ایک سوار گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا لیکن پہاڑی پر چڑھ کر آواز دینے والا زیادہ کامیاب رہا کہ اس کی خبر مجھے پہلے مل گئی۔

چنانچہ جب وہ شخص مجھ سے ملا جس کی آواز میں نے سنی تھی تو اس خوش خبری دینے کے صلہ میں میں نے اپنے کپڑے اتار کر اسے پہنا دئے۔ واللہ! میرے پاس اس وقت دوسرا جوڑا نہیں تھا۔ میں نے اپنے لئے ادھار کپڑے لے کر پہنے۔ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس جانے کے ارادے سے نکلا۔ لوگ مجھ سے راہ میں جوق در جوق ملتے اور مبارک باد دیتے جاتے۔ میں مسجد میں داخل ہوا تو رسول اللہ ﷺ صحابہ کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھتے ہوئے طلحہ بن عبیدہ ؓ دوڑ پڑے مجھ سے مصافحہ کر کے مبارک باد دی۔ مہاجرین میں سے کسی نے ان کے سوا یہ قدم نہیں کیا تھا۔ میں نے طلحہ ؓ کے اس خلوص کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ میں نے آ کر

رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپ ﷺ کا چہرا خوشی سے چمک اٹھا۔ کہنے لگے خوش ہو جاؤ جب سے تم پیدا ہوئے ہو ایسی خوشی کا دن تم پر نہیں آیا ہوگا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے۔ نبی کریم ﷺ جب خوش ہوتے تھے تو آپ ﷺ کا چہرا چمک اٹھتا تھا گویا چاند کا ٹکڑا ہے۔ آپ کی خوشی آپ ﷺ کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا!

یا رسول اللہ ﷺ! میری توبہ کی قبولیت کی یہ برکت ہونی چاہئے کہ میں اپنا سارا مال و متاع اللہ اور اس کی راہ میں لٹا دوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! ایسا نہیں کرو، کچھ رکھو اور کچھ صدقہ کر دو یہی بہتر صورت ہے۔ میں نے کہا کہ خیبر سے کو حصہ ملا تھا وہ میں اپنے لئے رکھ لیتا ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ! سچائی کی برکتوں کے سبب اللہ نے مجھے نجات بخشی۔ اللہ کی قسم! میں نے جب سے نبی کریم ﷺ سے سچائی کا ذکر کیا پھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اللہ سے دعا ہے کہ آئندہ بھی کبھی مجھ سے جھوٹ نہ بلوائے۔

(تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۴۴۲)

عورت کی بدکاری کی عظیم توبہ

غامدیہ عورت کو جس نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بدکاری کا اقرار کیا، اس عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد جب دودھ چھڑا لیا تو اسے رجم کر دیا گیا۔

ایک عورت جو قبیلہ ازد کے خاندان غامد میں سے تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھ کو پاک کر دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے واپس جا اور اللہ سے استغفار اور توبہ کر اس عورت نے عرض کیا آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپ ﷺ نے ماعذ بن مالک رضی اللہ عنہ کو پہلی دفعہ واپس کر دیا تھا اس طرح مجھ کو بھی واپس کر دیں گے، میں ایک عورت ہوں جو زنا کے ذریعہ حاملہ ہے لہٰذا اس اقرار کے بعد میرے انکار کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ میرے حمل کا ظاہر ہونا ہی میرے جرم کا سب سے بڑا ثبوت ہے بخلاف ماعذ کے، ان کے لئے انکار کی گنجائش تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے اپنے تغافل کو ظاہر کرنے اور اس کو اقرار زنا سے رجوع کرنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے فرمایا) یہ تو کیا کہہ رہی ہے کیا تو زنا کے ذریعہ حاملہ ہے۔ اس عورت نے اس کے باوجود اپنے اقرار پر اصرار کیا اور کہا کہ ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! اچھا تو اس وقت تک انتظار کر جب تک تو اپنے بچے کی ولادت سے فارغ

نہ ہو جائے۔

راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ایک انصاری نے (اس عورت کی خبر گیری اور کفالت کا) اس وقت تک کے لئے ذمہ لے لیا، جب تک وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اور پھر (اس عرصہ کے بعد) اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی وہ غامدیہ عورت ولادت سے فارغ ہو گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہم اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اس کے کمسن بچے کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو، ایک اور انصاری کھڑا ہوا اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس بچہ کی ودودھ پلانے کا میں ذمہ دار ہوں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو سنگسار کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دودھ پلانے کے لئے کہا تا آنکہ تو اس کا دودھ چھڑائے، پھر جب اس نے بچہ کو دودھ بھی چھڑا دیا تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اس وقت اس بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اب یہ روٹی کھانے لگا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس عورت کے لئے حکم فرمایا کہ ایک گڑھا کھودا جائے جب اس کے سینے تک گڑھا کھود دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا، اس کو سنگسار کیا گیا (اس کی سنگساری کے دوران) جب حضرت خالید بن ولیدؓ نے ایک پتھر اس کو مارا اور اس کے سر کا خون حضرت خالد بن ولیدؓ کے منہ پر آ کر پڑا تو حضرت خالدؓ اس کو برا بھلا کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خالد اس کی بخشش ہو چکی ہے اس کو برا بھلا مت کہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ کوئی ظلم سے ٹیکس لینے والا بھی کرے تو اس کی مغفرت اور بخشش ہو جائے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور اسے دفن کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا؛ یا رسول اللہ ﷺ! آپ اس بدکار عورت کا جنازہ پڑھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! عمر! (تمہیں معلوم نہیں) اس عورت نے ایسی خالص توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ کے ستر آدمیوں پر اسے تقسیم کر دیا جائے تو ان کی (نجات کیلئے) کافی ہو گی۔ کیا اس سے بھی افضل کوئی بات ہے کہ اللہ رب العزت کی رضا کے لئے اس نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ (صحیح مسلم)

استعاذہ

استعاذہ کے معنی ہیں پناہ مانگنا۔ قرآن کریم کی تلاوت سے پہلے

اعوذ باللّٰہ من ا لشیطٰن الرحیم

پڑھتے ہیں۔ جس کے معنی ہیں ’’ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے ‘‘۔ ہمارا یہ عمل استعاذہ ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ

اے اللہ! ہمیں شیطان کے شر سے اپنی پناہ میں لے لیجئے۔

دنیا کی زندگی میں طرح طرح کے حادثات اور سانحات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہمیں ہر وقت شیطان اور نفس سے سابقہ پڑتا ہے اس لئے ہمیں ہمیشہ ان چیزوں سے پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔ معاملات اور تعلقات میں بھی بعض اوقات کچھ خطرات ہوتے ہیں جن کے حل کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی، اور نہ اس کا حل اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اپنے پروردگار سے پناہ مانگنے سے دل کو بڑی تقویت ملتی ہے۔ اس بات کی عادت ڈالنے چاہیئے کہ جب کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو تو دل کی گہرائی سے " اعوذ باللّٰہ" کہہ لیا جائے۔ انسان کو صبح سے شام تک مختلف قسم کے وسوسے اور اندیشے لاحق رہتے ہیں۔ کوئی بھی انسان خطروں سے خالی نہیں ہوتا۔ دنیا اور آخرت کے تمام خطرات سے بچنے کا آسان طریقہ اور عبادت ’’ استعاذہ ‘‘ ہے۔

''استعاذہ'' وہ عمل ہے جس سے بندہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور شان ربوبیت اور رحمانیت کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اوراطمینان وسکون عطا ہوتا ہے۔ توکل کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں میں کسی کی ایذا رسانی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ لٰہذا اس عمل کو عادت بنا لیا جائے کہ جب بھی کوئی خطرہ محسوس ہو دل کی گہرائیوں سے " **اعوذ باللّٰہ** " کہہ دیا جائے۔ جب اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو گے تو خود محسوس ہو جائے گا کہ جوں جوں خطرات بڑھ رہے ہیں ویسے ہی اللہ کی رحمت اس سے بچاؤ کے عجیب وغریب راستے کھول رہی ہوتی ہے۔

محبت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

" يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ " (سورۃ المائدہ ۔ ۵۴)

اور اللہ تعالیٰ ان کو دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

﴿ وَالَّذِيْنَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰه ﴾

(سورۃ البقرہ ۔ ۱۶۵)

اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں بہت مضبوط ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو دوست رکھتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو بُرا سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو بُرا سمجھتا ہے۔

طبیعت میں ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جس سے لذت حاصل ہو محبت کہلاتی ہے۔ یہی میلان اگر قوی ہو جائے تو اس کو عشق کہتے ہیں۔

محبت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، محبت طبعی اور محبت عقلی۔ محبت طبعی پر انسان کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس کا پیدا ہونا اور پرورش پانا غیر اختیاری ہوتا ہے۔ یہ غیر اختیاری عمل ہمیشہ نہیں رہتا اور اس پر پکڑ بھی نہیں ہے۔ محبت عقلی میں پائیداری

ہوتی ہے اور یہ انسان کے اختیار میں ہوتی ہے اس کے متعلق جواب دہی بھی ہے۔
چونکہ محبت طبعی کی بنیاد طبیعت کے جوش سے ہے اور جوش ہمیشہ نہیں رہتا۔

محبت کے تین سبب ہوتے ہیں یا تو کوئی ہم پر کوئی احسان کرتا ہے جس کی وجہ سے ہمیں اس سے محبت ہو جاتی ہے، یا کسی کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کی طرف میلان ہو جاتا ہے یا یہ کہ کسی میں کوئی کمال پایا جاتا ہو اور وہ کمال باعثِ محبت ہو۔ حسن و جمال جب تک قائم ہے محبت جوان رہتی ہے۔ حسن جیسے جیسے ڈھلتا جاتا ہے محبت میں کمی واقع ہونے لگتی ہے۔ اسی طرح سے جب تک کمال باقی ہے محبت باقی ہے جب اس کا کمال ختم ہو گیا تو محبت بھی جاتی رہتی ہے۔ محبوب حقیقی کے نہ کمال کبھی ختم ہوتے ہیں اور نہ جمال، اس لئے اس کی محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں بھی کمالات بالذات نہیں ہیں اسی لئے کاملین اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتے۔ حبِ طبعی یعنی عشق غیر اللہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کا جذبہ حبِ عقلی ہے نہ کہ حبِ طبعی۔ اللہ تعالیٰ کے کمالات و اوصاف و انعامات کو کثرت سے یاد کرنا چاہیئے، احکامات شریعہ کی بجا آوری، کثرت سے ذکر الٰہی کرنے سے غیر اللہ کی محبت دل سے نکل جاتی ہے اور اللہ کی محبت دل میں گھر کر لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص روز آنہ تھوڑی دیر کے لئے کس کے پاس حاضر ہوتا ہے تو کچھ دن بعد اس سے محبت

پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک عرصہ تک ملاقات کا سلسلہ رہے تو جب کسی دن ناغہ ہو جائے تو دل بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے تھوڑی دیر کی ملاقات شروع کر دے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ فرض عبادات کے علاوہ تھوڑی دیر باوضو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ اس ذکر میں کلمہ طیبہ کا ورد، درود شریف، استغفار اور تلاوت قرآن مجید ہو۔ اس کے علاوہ ذکر خفی بھی کرتا رہے جس میں دل میں اللہ تعالیٰ کا تصور کرے اور قلب کو جاری کرے۔ یہی ذکر کرنا ہی اللہ سے ملاقات کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ذکر کرنے والے کے ساتھ ہوتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کی نعمتوں کو سوچا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر تمام نعمتیں انسان کے لئے پیدا کی ہیں اور انسان کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو ہمیں چاہیئے اپنی حاصل کی ہوئی ہر ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ اس سے انسان کی طبیعت میں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

ایک طریقہ یہ ہے کے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ والوں کے دل تقویٰ کی کانیں ہوتی ہیں، جس طرح سونا سونے کی کان سے ملتا ہے، چاندی چاندی کی کان سے ملتی ہے، نمک نمک کی کان سے ملتا ہے اسی طرح تقویٰ اور اللہ کی محبت کے خزانے اللہ والوں

کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتے ہیں اس کو اس کے عیب دکھا دیتے ہیں جو اس کے اندر ہوتے ہیں، اس کے دل میں تمام مخلوق کے لئے محبت اور شفقت پیدا کر دیتے ہیں، اس کو سخی اور مہمان نواز بنا دیتے ہیں، اس کے اندر عاجزی اور مسکنت پیدا کر دیتے ہیں، وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے حقیر سمجھتا ہے۔ اس کے دل سے کبر اور عجب نکال دیتے ہیں، وہ دوسروں کا ادب کرتا ہے۔ اس درجہ تک اپنے نفس کو مٹانا آسان نہیں ہوتا ورنہ آج ہر شخص ولی اللہ ہوتا، یہ نعمت تو کسی بزرگ، اللہ کے عاشق کی صحبت سے ملتی ہیں اس کے لئے مجاہدہ اور محنت کرنی پڑتی ہے۔

اللہ سے ملاقات کا شوق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(مَن كَانَ يَرْجُو لِقَاء اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ)

(سورۃ العنکبوت ۔ ۵)

یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا امیدوار ہے تو اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

﴿ اسئلک النظر الیٰ وجھک و الشوق الیٰ لقائک ﴾

(رواہ نسائی)

میں تجھ سے تیرے چہرے انور کی زیارت اور تیری ملاقات کا شوق مانگتا ہوں۔

کسی محبوب چیز کو دیکھنے یا حاصل کرنے کی خواہش کو شوق کہتے ہیں۔ ابتداء میں محبت شوق کے رنگ میں ہوتی ہے بعد میں الفت غالب آجاتی ہے اس وقت وہ کیفیات نہیں رہتیں جو شوق کے وقت ہوتی ہیں۔ مثلاً بات بات پر رونا، سوچوں میں گم ہو جانا بعض لوگ انہی کیفیات کو مقصود سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ یہ مقصود نہیں کہ ہر وقت شوق غالب رہے اور طبیعت میں نفس کی پسندیدہ باتوں کا شوق پیدا نہ ہو۔ اصل مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

(اسئلک شوقاً الیٰ لقائک من غیر ضرّاء مضرّۃ ولا فتنۃ مضلّۃ)

یعنی اے اللہ! میں آپ سے آپ کی ملاقات کا شوق بغیر کسی تنگی میں پڑنے کے جو نقصان دینے والی ہو اور بغیر کسی گمراہ کن آزمائش میں مبتلا ہونے کے طلب کرتا ہوں۔

کیونکہ شوق اور عشق کا غلبہ کبھی نقصان کی انتہا اور ہلاکت تک پہنچا دیتا ہے۔ جس سے اعمال میں خلل پڑتا ہے دراصل مقصود قرب الٰہی اور اللہ کے احکامات کی تعمیل ہے جس کو نقصان پہنچتا ہے اور بندہ بے ادبی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ جیسا کہ اکثر عاشق غلبۂ حال میں کرتے ہیں یہ بے ادبی دین کے لئے انتہائی مضر ہے لیکن غلبہ کی حالت میں معاف ہے۔ یہ کمال کی بات نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ ادب اور طاعات اور محبت کے مجموعہ تھے۔

خوف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!'' واخشونی '' یعنی مجھ سے ڈرو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

(من خاف ادلج و من ادلج بلغ المنزل الا ان سلعة اللّٰه

غالیه الا ان سلعة اللّٰه الجنة)

یعنی جو ڈرتا ہے رات ہی ہے چلتا ہے اور جو رات ہی سے چلتا ہے

وہ منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا سودا قیمتی ہے

اللہ تعالیٰ کا سودا جنت ہے۔

ناگوار چیز کا خیال اور اس کے واقع ہونے کا اندیشہ جو قلب کے لئے تکلیف دہ ہو خوف کہلاتا ہے۔ خوف کی حقیقت عذاب کا احتمال ہے کہ شاید مجھے عذاب ہو۔ یہ احتمال مسلمانوں میں ہر شخص کو ہے اور ہونا بھی چاہئے۔ یہ تو ایمان کی شرط ہے اور اسی کا نام خوفِ عقلی ہے کہ ہر وقت گناہ کرتے وقت اس پر اللہ کی وعید کا دل میں خیال رکھنا اور عذابِ خداوندی کو ذہن میں رکھنا۔ یہ درجہ فرض ہے اس سے بے پرواہ ہونا گناہ ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا خوف نیک کاموں میں رغبت اور گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ خوف کرنے والوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت، رحمت، علم، اور رضا کی پاکیزہ خصلتیں جمع کر دیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے

اس سے ہر چیز ڈرتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خوف کے بارے میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے!

إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءهُ فَلاَ تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ O

(سورۃ آل عمران ۔ ۱۷۵)

بے شک یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم اس سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قُلْ إِنِّيَ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ O

(سورۃ الانعام ۔ ۱۵)

(اے نبی ﷺ) فرما دیجئے! اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُواْ إِلَى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُم مِّن دُونِهِ وَلِيٌّ وَلاَ شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ O

(سورۃ الانعام ۔ ۵۱)

اور آپ اس قرآن کے ذریعہ ایسے لوگوں کو خبر دار کر دیجئے جن کو اس بات کا

ڈر ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع ہوں گے کہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا، شاید وہ پرہیزگار بن جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَلاَ أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلاَّ أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئاً وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْماً ﴾

(سورۃ الانعام ۔ ۸۰)

اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس (اللہ) کا شریک مانتے ہو، سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ چاہے، میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ إِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴾

(سورۃ الاعراف ۔ ۵۹)

مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

أَن لاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ اللّهَ إِنِّيَ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ O

(سورۃ ھود ۔ ۲۶)

یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے حق میں ایک دردناک دن کے عذاب کا خوف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَإِنِّىَ أَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ مُّحِيطٍ ﴾

(سورۃ ھود ۔ ۸۴)

اور مجھے تمہارے متعلق ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو سب کو گھیر لے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

إِنَّ فِيۡ ذَلِكَ لآيَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الآخِرَةِ ذَلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُودٌ O

(سورۃ ھود ۔ ۱۰۳)

بے شک ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی نشانی ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے، یہ ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کے پیش ہونے کا دن ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَالَّذِيۡنَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ وَيَخَافُونَ سُوءَ الحِسَابِ O

(سورۃ الرعد ۔ ۲۱)

وہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن تعلقات کو قائم کرنے کا حکم دیا وہ ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بڑے حساب سے خوف کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ ذٰلِکَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِیۡ وَخَافَ وَعِیۡد ﴾

(سورۃ ابراہیم ۔ ۱۴)

اس لئے کہ وہ میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے میرے عذاب سے خوف کھایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

یَخَافُونَ رَبَّھُم مِّن فَوۡقِھِمۡ وَیَفۡعَلُونَ مَا یُؤۡمَرُونَ O

(سورۃ النحل ۔ ۵۰)

وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کو بجالاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَمَن یَعۡمَلۡ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَھُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا یَخَافُ ظُلۡماً وَلَا ھَضۡماً O

(سورۃ طٰہٰ ۔ ۱۱۲)

اور جس نے اچھے کام کئے اور وہ مومن بھی ہے تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہوگا اور نہ حق تلفی کا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ یَخَافُونَ یَوۡماً تَتَقَلَّبُ فِیۡهِ الۡقُلُوبُ وَالۡأَبۡصَارُ ﴾

(سورۃ النور ۔ ۳۷)

یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قُلْ إِنِّیْ أَخَافُ إِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ O

(سورۃ الزمر ۔ ۱۳)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے
ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَان O

(سورۃ الرحمٰن ۔ ۴۶)

جو اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

یُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُونَ یَوْماً کَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِیْراً O

(سورۃ الدھر ۔ ۷)

وہ نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا یَوْماً عَبُوساً قَمْطَرِیْراً O

(سورۃ الدھر ۔ ۱۰)

ہم تو اپنے رب سے اس دن کا خوف کھاتے ہیں جو بہت سخت
اور رنج دینے والا ہوگا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى O
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى O

(سورۃ النازعات ۔ ۴۰)

اور جس اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کی
خواہش سے رکا رہا۔ تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

کسی کو دو خوف نصیب نہیں ہوں گے۔ یعنی جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خوف رکھے کا آخرت میں بے خوف ہوگا۔ اور جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے بے خوف رہا تو اس کو آخرت میں اطمینان اور امن نصیب نہیں ہوگا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ہر آنکھ روتی ہوگی سوائے اس آنکھ کہ جو اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دیکھنے سے روکی گئی تھی اور وہ آنکھ جس نے اللہ کے راستے میں پہرا دیا اور وہ آنکھ جس میں خوف الٰہی کی وجہ سے مکھی کے سر کے برابر آنسو نکل آیا۔

مشکوۃ شریف کی ایک اور حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ آگ

میں سے اس شخص کو نکال دو جو کسی بھی مقام پر مجھ سے ڈرا ہے۔

خشیت الٰہی مومن کے لئے لازم ہے، اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک یہ احتمال ہے کہ مجھ سے کوئی اختیاری کوتاہی نہ ہو جائے دوسری یہ کہ شاید کوئی اختیاری کوتاہی ہو گئی ہو جس کا احساس نہ ہوا ہو۔ یہ بھی اختیاری ہے کہ ڈاکو سزا کے خوف سے ڈاکہ نہیں ڈالتا۔ بچہ پٹنے کے خوف سے شرارت سے رکا رہتا ہے۔ لوگ جرمانے کے خوف سے جرم سے باز رہتے ہیں۔ بے عزتی ہونے کے خوف سے محفل میں تمیز سے بیٹھتا ہے۔ اگر خوف اٹھ جائے تو دنیا کا نظام بھی نہیں چل سکتا یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ سزا کے خوف سے برائیوں سے بچا رہتا ہے۔

حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ ایمان والے کا دل بے خوف نہیں ہوتا اور اس کے خوف کو کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعمال، اقوال، ظاہر اور باطن کے تمام بھیدوں کو جانتے ہیں اور مجھ سے قیامت کے دن حساب لیں گے۔

رجا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيْعاً إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ O

(سورۃ الزمر ۔ ۵۳)

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف کردے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هَـذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِيْ الآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَـا إِلَيْكَ قَالَ عَذَابِيْ أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاء وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَـاةَ وَالَّذِيْنَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ O

(سورۃ الاعراف ۔ ۱۵۶)

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی لکھ دے، ہم

تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ سو اس کو تو میں انہی کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

(لو یعلم الکافر ما عند اللّٰہ من الرحمة ما قنط من جنتہٖ احدٌ)

(متفق علیہ)

یعنی اگر کافر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حال جان لے تو اس کی جنت سے ناامیدی نہ ہو۔

حضرت ابوذر ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جس نے ایک نیکی کی اس کے لئے دس گنا اجر ہے یا اس سے بھی زیادہ دوں گا اور جس نے برائی کی تو اس کا بدلہ اس کے برابر ہے (زیادہ نہیں) یا میں اسے بخش دوں گا۔ جو مجھ سے ایک بالشت کے برابر (نیکیوں کے ذریعہ) قریب ہوگا میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوں گا۔ جو میرے پاس چل کر آئے گا تو میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا۔ جو مجھ سے زمین بھر برائی لے کر ملے گا لیکن وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو میں اس سے اسی قدر بخشش لے کر ملوں گا۔

(صحیح مسلم)

محبوب چیزوں یعنی اللہ کا فضل، مغفرت، نعمت، اور جنت کے انتظار میں قلب میں ایک راحت کا پیدا ہونا اور ان چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش اور تدبیر کرنے کو " رجا " کہتے ہیں۔

جو شخص اللہ کی رحمت اور جنت کا منتظر ہو اور اس کے حاصل کرنے کے اسباب اختیار نہ کرے اس کو مقام رجا حاصل نہیں ہوسکتا وہ دھوکہ میں ہے۔ جیسے کوئی شخص بیج بوئے بغیر غلہ پیدا ہونے کا منتظر رہے اس کو ہوس کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا امیدوار ہونا ایمان کا جزو ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی خوب فرمانبرداری اور عبادت کرے اور اس کی نافرمانیوں سے ہمت کر کے بچے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ انسان جس کی اطاعت کرتا ہے اس سے امیدیں پیدا ہونے لگتی ہیں اور جس کی نافرمانی کرتا ہے اس سے خوف وخطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ توبہ کرتے وقت امید رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لامحدود وسعتوں پر نظر رکھے اور پورا یقین رکھے کہ میری توبہ ضرور قبول ہوگی۔ اگر کسی کے پاس جلے پر لگانے کا مرہم ہو پھر بھی وہ جان بوجھ کر آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے۔ ان میں سے ننانوے (۹۹) اپنے پاس محفوظ رکھ لئے اور ایک حصہ زمین پر اتار دیا۔ اسی ایک حصہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ

کی تمام مخلوق ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے یہاں تک کہ ایک جانور بھی اپنا کُھر (پیر) اپنے بچے سے ہٹالیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو ختم کر کے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو گناہ کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں گے اور وہ انہیں معاف فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کافر جب دنیا میں کوئی اچھا عمل کرتا ہے تو اسے اس کا بدلہ دنیا کی کچھ لذتوں میں دے دیا جاتا ہے (یعنی آخرت میں اسے اس کا کوئی صلہ نہیں ملے گا) لیکن مومن کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اس کی نیکیوں کا ذخیرہ آخرت میں صلہ دینے کے لئے کر لیتا ہے اور دنیا میں اسے رزق اس کی فرماں برداری کی وجہ سے دیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا! جو مسلمان مر جائے اور ایسے چالیس آدمی اس کی نماز جنازہ پڑھیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان کی سفارش قبول کر لیتا ہے۔ (صحیح مسلم)

زُہد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

(لِكَيْلا تَأْسَوْا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا ءَاتَاكُمْ)

(سورۃ الحدید ۔ ۲۳)

تا کہ فوت شدہ چیز پر افسوس نہ کرو اور جو تم کو دیا ہے اس پر خوشی سے اترا نہ جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

﴿ اول صلاح ھٰذا الامۃ الیقین و الزھد
و اول فساد ھا البخل و الامل ﴾

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

یعنی اول بہتری اس امت کی یقین اور زہد ہے اور اول بگاڑ اس امت کا بخل اور طول امل (لمبی لمبی امیدیں) ہے۔

کسی رغبت کی چیز چھوڑ کر اس سے بہتر کی طرف مائل ہونا مثلاً دنیا کی رغبت سے علیحدہ ہو کر آخرت کی رغبت کرنا " زہد " ہے۔

زُہد کا اصل وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے قلب میں ڈالا جاتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے اور بات واضح ہو جاتی ہے۔ دنیا کی مال و دولت مکھی کے پر کے برابر لگنے لگتی ہے۔ اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ آخرت کی کامیابی ہی اصل کامیابی ہے۔ جس وقت یہ نور انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے

تو دنیا حقیر لگنے لگتی ہے اور آخرت کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ دنیا کے بیش قیمت ہیرے جوہرات کے مقابلہ میں پھٹے پرانے کپڑے اچھے لگنے لگتے ہیں۔ زہد کا سب سے بڑا افائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر قناعت آجاتی ہے۔ تھوڑی سی مقدار اس کے لئے کافی ہوتی ہے بہت زیادہ کی ہوس ختم ہو جاتی ہے۔ اتنے پر قناعت کرتا ہے جتنا ایک مسافر اپنے ساتھ توشہ لے کر جاتا ہے۔ زہد ترک لذات کا نام نہیں بس قلیل پر راضی ہو جائے۔ اگر اللہ کی نعمت کے طور پر دنیاوی لذات حاصل ہوتی ہیں تو ان پر شکر ادا کرے۔ نفس پر بلا وجہ جبر نہ کرے۔

حقیقت یہ ہے کہ جن کی نظر اللہ پر ہوتی ہے ان کی نظر میں سونا چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے لئے اور اپنے اہل بیت اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند نہیں کیا۔ فرمایا کہ مخلوق کے ہاتھ میں جو کچھ ہے متاع دنیا ہے۔ جس کے دل میں اس کی لالچ ختم ہو جائے گی وہ راحت میں رہے گا۔ کیونکہ زہد سے قلب اور بدن دونوں کو راحت ملتی ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! اے اللہ! زندگی تو بس آخرت ہی کی زندگی ہے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تین چیزیں میت کے پیچھے ہوتی ہیں۔ اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کے

اعمال۔ پھر دو چیزیں تو واپس آ جاتی ہیں اور ایک باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے گھر والے اور اس کا مال واپس آ جاتے ہیں۔ اس کا عمل (اس کے ساتھ) باقی رہ جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قیامت والے دن جہنمیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ خوشحال رہا ہوگا۔ اسے جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور پھر اس سے پوچھا جائے گا۔ اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی راحت دیکھی؟ کیا تجھ پر کبھی خوشحالی کا گزر ہوا؟ وہ کہے گا: نہیں! اے میرے رب! اور جنتیوں میں سے ایک شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ دکھی اور مصیبت زدہ تھا، اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا اور پھر اس سے پوچھا جائے گا۔ اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی سختی اور تنگی دیکھی ہے؟ کیا تیرے ساتھ کبھی سختی کا گزر ہوا؟ وہ کہے گا نہیں اللہ کی قسم! میرے ساتھ کبھی سختی کا گزر نہیں ہوا، نہ کبھی میں نے سختی اور تکلیف دیکھی۔ (مسلم)

حضرت مستورد بن شداد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے اور پھر نکال لے اور دیکھے کہ سمندر کا کتنا پانی اس انگلی کے ساتھ آیا ہے۔ (مسلم)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بازار سے گزر رہے تھے، آپ ؐ کے دونوں طرف لوگ تھے تو آپ کا بکرے کے ایک چھوٹے کان

والے مردار بچے کے پاس سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے اسے اس کے کان سے پکڑا اور فرمایا تم میں سے کوئی اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو اسے کسی بھی چیز کے بدلے لینا پسند نہیں کرتے اور ہم اسے لے کر کریں گے بھی کیا؟ اگر زندہ ہوتا تب بھی عیب دار تھا کیونکہ چھوٹے کانوں والا ہے۔ تو اب اسے کون لے گا جب کہ یہ مردار ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ کی قسم! یقیناً اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جتنا بکری کا یہ مردار بچہ تمہاری نظروں میں حقیر ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ بات اچھی لگتی ہے کہ میری تین راتیں اس حال میں نہ گزریں کہ اس میں سے میرے پاس کچھ باقی ہو، سوائے اتنے حصہ کے جو میں قرض کی ادائیگی کے لئے سنبھال کر رکھ لوں۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ (مسلم)

حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا! تم دنیا میں ایسے رہو گویا تم دنیا میں ایک پردیسی یا راہ گیر ہو۔ حضرت ابن عمر ؓ فرماتے تھے کہ جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو، اور اپنے صحت میں بیماری کے لئے اور اپنی زندگی میں موت

کے لئے کچھ حاصل کرلو۔ (بخاری)

حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتایئے جسے میں کروں تو اللہ مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھے محبوب جانیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ، اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو لوگ محبت کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات اس حالت میں ہوئی کہ میرے گھر میں کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو کوئی جاندار کھائے، سوائے اس تھوڑے سے جَو کے جو میرے طاق میں رکھے ہوئے تھے۔ پس میں ایک مدت دراز تک اس میں سے لے لے کر کھاتی رہی بالآخر ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ ختم ہو گئے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر دنیا کہ وقعت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پَر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پلاتا۔ (ترمذی)

حضرت کعب بن عیاض ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا! ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے (یعنی اس چیز کے ذریعہ اس کی آزمائش کی جاتی ہے) میرے امت کے لئے فتنہ مال ہے۔ (ترمذی)

حضرت کعب بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دو بھوکے بھیڑیے جنہیں بکریوں کے ریوڑ میں بھیجا جائے اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا نقصان آدمی کا مال اور جاہ کی حرص اس کے دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔

(جامع ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جنت میں فقراء مال داروں سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔ (جامع ترمذی)

حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو (میں نے دیکھا کہ) اس میں داخل ہونے والے زیادہ مسکین ہیں اور مال دار لوگوں کو (حساب کے لئے) روکا ہوا تھا۔ البتہ جہنمیوں کو جہنم کی طرف لے جانے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت عبد اللہ بن شخیر ؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ (الھاکم التکاثر ۔۔) تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ حالانکہ اے انسان تیرا مال (تو وہ ہے جو) تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے آگے بھیج دیا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عبد اللہ بن مغفل ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم! میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! دیکھ تو کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے پھر کہا! اللہ کی قسم! میں

یقیناً آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ تین مرتبہ اس نے اس طرح کہا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو واقعی مجھ سے محبت کرتا ہے تو فقر اور غربت کا ٹاٹ تیار کر، اس لئے کہ فقر اس شخص کی طرف جو مجھ سے محبت کرتا اس تیزی سے جاتا ہے کہ اتنا تیز سیلاب کا پانی بھی اپنے بہاؤ کے رخ پر نہیں جاتا۔ (ترمذی)

زہد کے درجات

پہلا درجہ:

خواہشات نفسانیہ کی مخالفت میں زہد اختیار کرنا پہلے درجہ کا زہد ہے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر و ذلیل سمجھ لیتا ہے تو اسے یہ پرواہ نہیں رہتی کہ اس کے صبح شام کیسے گزر رہے ہیں۔ بشرطیکہ اس کے دل میں محبت الٰہی گھر کر گئی ہو اور اپنی پسندیدہ شہوات و لذات سے کنارہ کش ہو چکا ہو۔ اپنی صحبت میں تمام بھٹکے ہوئے دوستوں سے دوری اختیار کر لی ہو۔ بقدر ضرورت خوراک، کپڑے، مکان ، سواری رکھنا زہد کے خلاف نہیں، بس دنیاوی اشیاء کی تمنا دل سے نکال دے۔

دوسرا درجہ:

حضرت سفیان ثوریؒ ، حضرت وکیع بن جراحؒ ، حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں زاہد بن کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی آرزوئیں کم سے کم

ہوں۔ کیونکہ جس آدمی کی آرزوئیں کم ہوں گی وہ عیش پرست نہیں ہوسکتا اور غفلت میں نہیں رہ سکتا۔ دنیا میں زہد اختیار کرنے والا آخرت سے رغبت رکھتا ہے۔ گویا وہ عذاب وثواب کی حقیقت کا مشاہدہ کرتا ہے اسی لئے دنیا سے کنارہ کش رہتا ہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حارثہ ؓ سے پوچھا! اے حارثہ! آج صبح کیسی رہی؟ انہوں نے عرض کیا جیسے ایک مومن کی صبح ہو: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس پر آپ ؐ نے فرمایا! تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کیا! میرا دل دنیا سے ایسا بے رغبت ہو چکا ہے کہ میرا دن تو بھوک پیاس کی نذر ہو جاتا ہے اور رات جاگتے کٹ جاتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میں اپنے رب کے عرش کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اہل جنت مجھے عیش وعشرت میں نظر آرہے ہیں اور اہل دوزخ مجھے چیخ پکار کرتے نظر آرہے ہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یہ مومن کا دل ہے۔ اللہ نے اسے نور سے معمور کیا ہے۔

اے حارثہ! تم نے معرفت حاصل کر لی، اب اس کو لازم پکڑو۔ (یعنی اپنے دل کی اس حالت کو قائم رکھو)

تیسرا درجہ:

اشیاء کی قدر و قیمت کا دل سے نکل جانا زہد کہلاتا ہے۔ زہد ایک مشکل ترین شئے ہے۔ ہر آدمی کا زہد اس کی معرفت الٰہیہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اپنے زہد کی کیفیت انسان کو خود معلوم کرنا مشکل ہوتا ہے یہ اسی اس کا راہنما ہی بتا سکتا ہے۔

اگراس کے دل میں دنیا کہ محبت دھیرے دھیرے کم ہورہی ہوتو اندازہ کرسکتا ہے کہ صحیح راستہ پر جا رہا ہے۔ جوشخص نفس کے مقابلہ میں کمزوری دکھا گیا تو وہ کسی صورت میں دنیا سے بے رغبت نہیں سمجھا جائے گا۔ اور جس شخص نے خواہشات کو کچلنے کی کوشش نہیں کی تو اسے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسے آخرت کی بڑی فکر ہے۔

دنیامیں رہ کرزہداختیار کرنے والاآدمی دنیا کو نہ بُرا بھلا کہے گا اور نہ اس کی تعریف کرے گا۔ جب دنیااس کے پاس آئے گی تو وہ خوش نہیں ہوگا اور اگر دنیااس سے پیٹھ پھیر کر چل دے گی تو اس کو کوئی رنج وملال بھی نہیں ہوگا۔

ایک ابدال کا کہنا ہے کہ جب تک زاہد کی نظر میں سونا اور پتھر برابر نہ ہو جائیں وہ زہد میں کامل نہیں ہوسکتا۔

توکل اور یقین

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَاناً وَتَسْلِيماً O

(سورۃ الاحزاب ۔ ۲۲)

جب مومنوں نے کافروں کے لشکر دیکھے تو کہا، یہ تو وہی ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے کیا تھا، اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے اور اس چیز نے ان کو ایمان اور تسلیم میں زیادہ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُواْ لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيْمَاناً وَقَالُواْ حَسْبُنَا اللّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ O فَانقَلَبُواْ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُواْ رِضْوَانَ اللّهِ وَاللّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيْمٍ O

(سورۃ آل عمران: ۱۷۴۔ ۱۷۳)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں کو لوگوں نے کہا کہ بے شک (کافروں نے) تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا اسامان اکٹھا کیا ہے تم ان سے ڑرو، سو اس بات نے ان کے ایمان کو اور بڑھادیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی اچھا کارساز ہے۔

پھر یہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے اور ان کو کچھ بھی تکلیف نہ پہنچی اور اللہ کی رضا پر چلے اور اللہ بڑا فضل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِیْ لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ○

(سورۃ الفرقان ۔ ۵۸)

اورآپ (ﷺ) اس زندہ (اللہ تعالیٰ) پر بھروسہ رکھئے جس کو کبھی موت نہیں اوراس کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے آگاہ رہنے کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾

(سورۃ ابراہیم ۔ ۱۱)

اور ایمان والوں کو تو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾

(سورۃ الطلاق ۔ ۳)

اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ O

(سورۃ آل عمران ۔ ۱۵۹)

(اے نبی ﷺ)! کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ پر بھروسہ کریں، بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيْمَاناً وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ O

(سورۃ الانفال ۔ ۲)

بے شک مومن تو وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب اس کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس سے ان کا ایمان زیادہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْن ﴾

(سورۃ المائدہ ۔ ۲۳)

اگر تم مومن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

﴿ **واز اسلت فا سئل اللّٰہ و اذااستعنت فا ستعن باللّٰہ** ﴾

(رواہ ترمذی)

جب کچھ مانگوتو اللہ ہی سے مانگواور جب مدد چاہوتو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہو۔

صرف کارسازِ حقیقی پرقلب کا اعتماد کرنا" توکل" کہلاتا ہے۔

توکل کی حقیقت وہی ہے جو وکیل بنانے کی ہوتی ہے۔ وکیل اس لئے بنایا جاتا ہے کہ جو کام وہ خود نہیں کرسکتا وہ دوسروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے جو اس کام کو بہتر طریقہ سے کرسکتا ہے۔ بس توکل یہی ہے کہ اپنا کام اللہ کے سپرد کر دے اللہ سب سے بڑا کارساز ہے۔ شریعت کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر کام کے لئے اسباب کے ماتحت اپنی پوری کوشش کرے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دے۔

حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا، اے اللہ! تیرے غلبے کے ذریعہ سے میں پناہ مانگتا ہوں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اس بات سے کہ تو مجھے سیدھے راستے سے بھٹکا دے، تو زندہ اور قیوم ہے جسے موت نہیں آئے گی اور تمام جن و انس موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔

(بخاری ومسلم)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھ لے!

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾

” اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا،
گناہ سے پھرنا اور نیکی کی قوت کا میسر آنا اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں “

تو اس کو کہا جاتا ہے کہ تو ہدایت دیا گیا، تیری کفالت کی گئی اور تو بچا لیا گیا، اور شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد، جامع ترمذی اور سنن نسائی)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں دو بھائی تھے، ایک ان میں سے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا (اور آپ ﷺ سے دین کا علم سیکھتا) دوسرا کاروبار کرتا اور کماتا۔ کاروباری بھائی نے اپنے بھائی کی شکایت نبی کریم ﷺ سے کی (کہ وہ کاروبار کے بجائے ہر وقت آپ (ﷺ) کے پاس رہتا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا! (تمھیں کیا معلوم) شاید تمہاری روزی اس کی وجہ سے ہی ملتی ہو۔ (جامع ترمذی)

توکل کے تین رکن ہیں۔ معرفت، حالت، اعمال

معرفت:

'' توحیدِ حق '' جس کا اقرار توحید سے ہوتا ہے کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اور اس کا کائی شریک نہیں۔ اسی کی ملکیت ہے، اسی کی حمد وثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس میں اس بات کا اقرار ہے کہ اللہ تعالیٰ قدرت، وجود اور حکمت میں وہ کمال رکھتا ہے جس کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے بس جس نے سچے دل سے اس کا اقرار کرلیا اس کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا۔ اب توکل کی حالت ضرور پیدا ہوگی بشرطیکہ صدقِ دل سے اقرار کیا ہو۔

دوسری رکن حالِ توکل ہے:

اس کے معنی ہیں کہ اپنا کام اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دے، قلب کو مطمئن رکھے اور غیر اللہ کی طرف التفات بھی نہ کرے۔ یعنی ایسا ہو جائے جیسے کوئی کسی ہوشیار، شفیق اور غمخوار وکیل کو اپنا مقدمہ سونپ کر مطمئن اور بے فکر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ میرا وکیل عقل منداور خیر خواہ ہے۔ پس میرا حریف مجھ پر کبھی غلبہ نہیں پا سکتا۔ اسی طرح سب جانتے ہیں کہ رزق، موت وحیات اور مخلوق کے چھوٹے بڑے سب کام اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی حکمت اور رحمت کی انتہا نہیں ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ قلب میں اطمینان نہ ہو۔

تیسرا رکن اعمال ہیں:

جاہلوں کا خیال ہے کہ توکل محنت مزدوری اور کام کاج چھوڑ دینے کا نام ہے۔ بس ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، اگر بیمار ہو تو علاج بھی نہ کرائے۔ بے سوچے سمجھے اپنے آپ کو خطرات اور ہلاکت میں ڈال دے۔ جس طرح آگ میں گھس جائے یا شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال دے تب متوکل کہلائے گا۔ حالانکہ یہ خیال بالکل غلط ہے کیونکہ ایسا کرنا شرعاً حرام ہے اور شریعت ہی توکل کی خوبیاں بیان کر رہی ہے پھر بھلا جس کام کو شریعت خود حرام بتائے اسی کی رغبت اور حرص دلائے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ تدبیر اور اسباب کے جائز طریقے اختیار کرنے کے بعد اللہ پر بھروسہ کرے، دیتا تو خدا ہی ہے یعنی اسباب میں کامیابی اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ اللہ کی نعمتوں اور عنایات اور اپنے گذشتہ کامیابیوں کے بارے میں سوچنا چاہیئے۔ شہوات کو ترک کرنا چاہیئے۔ ناگوار باتوں پر صبر کرنا چاہیئے۔ غصہ کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میری امت میں ستر ہزار افراد بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور بدشگونی نہیں لیتے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں۔

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں اونٹ کو باندھ کر توکل

اختیار کروں یا اس کو چھوڑ کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! پہلے اسے باندھ لے پھر اللہ پر توکل کر۔ (جامع ترمذی ۔ باب التوکل)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا! اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح روزی دے گا جس طرح پرندوں کو روزی دی جاتی ہے۔ صبح سویرے خالی پیٹ (آشیانوں سے) نکلتے ہیں اور شام کو بھرے پیٹ واپس پلٹتے ہیں۔ (مشکوٰۃ: باب التوکل)

توکل کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے تمام تر وسائل کو بروئے کار لائے اور پھر نتائج کو اللہ کے حوالے کر دے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا!

حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل

کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ کیا خوب کارساز ہے

یہ جملہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا جب وہ آگ میں ڈالے گئے اور یہی جملہ حضرت محمد ﷺ نے کہا جبکہ لوگوں نے (مسلمانوں سے غزوۂ احزاب کے موقع پر) کہا کہ لوگ تمہارے واسطے جمع ہو گئے ہیں ان سے ڈرو۔ اس دھمکی نے مسلمانوں کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور انہوں نے کہا!

" حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل "

رسول اللہ ﷺ غزوہء غطفان سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں بارش ہوگئی۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے کپڑے بھیگ گئے۔ انحضرت ﷺ نے اپنے بھیگے ہوے کپڑے ایک درخت پر سوکنے کے لئے ڈال دئے اور خود اس درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ وہاں کے اعرابی آپ ﷺ کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سردار دعثور سے جو جوان اور بہت بہادر تھا کہا کہ محمد ﷺ اس درخت کے نیچے تنہا لیٹے ہوئے ہیں اور ان کے اصحاب ؓ منتشر ہیں تو جا کر ان کو قتل کر دے۔ دعثور نے ایک نہایت تیز تلوار لی اور آپ ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ اور کہا۔ اے محمد (ﷺ)۔ بتاؤ آج تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ " اللہ "۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فوراً اٹھا لی اور دعثور سے کہا کہ بتاؤ کہ اب تم کو میری تلوار سے کون بچائے گا۔ اس نے کہا کوئی نہیں اور اسلام لے آیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس نے یہ وعدہ کیا کہ اب آپ کے مقابلہ میں کوئی فوج جمع نہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے دعثور کو اس کی تلوار واپس کر دی۔ دعثور نے واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ☆

(سورۃ المائدہ ۔ ۱۱)

ترجمہ: اے ایمان والا! یاد رکھو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب لوگوں نے ارادہ کیا تم پر دست درازی کا پھر اللہ نے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے۔

(سیرت المصطفیٰ ﷺ)

فارسی شعر

کارساز ما بساز کار ما

فکر ما در کارِ ما آزارِ ما

قناعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِیُ الأَرُضِ إِلاَّ عَلَی اللّهِ رِزُقُهَا وَيَعُلَمُ
مُسُتَقَرَّهَا وَمُسُتَوُدَعَهَا كُلٌّ فِیُ كِتَابٍ مُّبِيُنٍ O

(سورۃ ھود ۔ ٦)

زمین پر چلنے والا کوئی بھی جاندار ایسا نہیں ہے جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو
اور وہ ان کے رہنے اور سونپے جانے کہ جگہ کو جانتا ہے۔
سب کچھ کتابِ مبین میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

لِلُفُقَرَاء الَّذِيُنَ أُحصِرُواُ فِیُ سَبِيُلِ اللّهِ لاَ يَسُتَطِيُعُونَ
ضَرُباً فِیُ الأَرُضِ يَحُسَبُهُمُ الُجَاهِلُ أَغُنِيَاء مِنَ التَّعَفُّفِ
تَعُرِفُهُم بِسِيُمَاهُمُ لاَ يَسُأَلُونَ النَّاسَ إِلُحَافاً وَمَا تُنفِقُواُ
مِنُ خَيُرٍ فَإِنَّ اللّهَ بِهِ عَلِيُمٌ O

(سورۃ البقرہ ۔ ٢٧٣)

(صدقہ و خیرات) ان فقیروں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھِر گئے ہوں،
وہ ملک میں کہیں جا بھی نہیں سکتے، ان کے سوال نہ کرنے کے سبب ناواقف لوگ
ان کو مال دار خیال کرتا ہے۔ تم ان کی حالت ان کے چہروں سے پہچان لوگے، وہ

لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے اور تم جو کچھ بھی مال خرچ کرو گے اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً O

(سورۃ الفرقان ۔ ٦٧)

اور وہ جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ O
مَا أُرِيْدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيْدُ أَن يُطْعِمُونِ O

(سورۃ الذاریات: ٥٧ ۔ ٥٦)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔
نہ میں ان سے روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
مال داری ساز وسامان کی کثرت کا نام نہیں ہے بلکہ اصل مالداری نفس کی مالداری کا

نام ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
وہ شخص کامیاب ہوگیا جس نے اسلام قبول کیا اور برابر سرابر روزی دیا گیا اور اللہ نے اس کو جو کچھ دیا اور اس پر اس کو قناعت کی توفیق سے نواز دیا۔

(صحیح مسلم)

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
قناعت ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزیں پانچ مقامات پر رکھی ہیں۔

۱۔ عزت کو فرمانبرداری میں رکھا ہے۔

۲۔ ذلت کو نافرمانی میں رکھا ہے۔

۳۔ رعب کو رات کے قیام میں رکھا ہے۔

۴۔ دانائی کو خالی پیٹ میں رکھا ہے۔

۵۔ بےفکری کو قناعت میں رکھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
جائدادیں اور جاگیریں نہ بناؤ کہ پھر دنیا ہی کہ ہو کر رہ جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ: کتاب الرقاق)

جائدادیں اور جاگیریں بنانا گناہ نہیں ہے لیکن ان کی وجہ سے انسان حبِ دنیا کا شکار ہو جاتا ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب ؓ نے اپنے گورنروں سے فرمایا کہ بلند و بالا عمارتیں نہ بناؤ کیونکہ یہ طرزِ عمل بدترین زمانے کی نشانی ہے۔

(آداب المفرد: ص۶۶)

حضرت معاذ بن جبل ؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا! اے معاذ! دیکھنا عیش پسندی کی زندگی سے بچنا۔ اس لئے کہ اللہ کے بندے عیش پسندی کی زندگی نہیں گزارتے۔

(مشکوٰۃ: باب فضل الفقراء)

صاف ستھرا رہنا، صاف اور اچھے کپڑے پہننا عیش پسندی نہیں ہے۔

حضرت حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مال کا سوال کیا تو آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا۔ میں نے پھر سوال کیا آپ ﷺ نے پھر عطا فرمایا۔ میں نے پھر سوال کیا آپ ﷺ نے پھر عطا کیا اور فرمایا! اے حکیم! یہ مال یقیناً سرسبز ہے، شیریں ہے جو اسے بے نیازی کے ساتھ حاصل کرتا ہے، اس کے لئے اس میں برکت دی جاتی ہے اور جو اسے نفس کی لالچ کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کے لئے اس میں برکت نہیں دی جاتی اور وہ اس (بیمار) شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (مانگنے والے) ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ حضرت حکیم ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ

(ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا آپ ؐ کے بعد کسی سے کوئی چیز نہیں مانگوں گا یہاں تک کہ دنیا چھوڑ جاؤں۔ پس حضرت ابو بکر صدیق ؓ انہیں بلاتے تا کہ انہیں کچھ عطا کریں لیکن وہ قبول کرنے سے انکار فرما دیتے۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں انہیں عطیہ دینے کے لئے بلایا لیکن انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس حضرت عمر ؓ نے فرمایا! اے مسلمانوں کی جماعت! تم گواہ رہنا میں حکیم پر اس کا وہ حق پیش کر رہا ہوں جو اللہ نے اس مال فئے میں سے ان کا رکھا ہے لیکن وہ اسے لینے سے انکار کر رہے ہیں۔ پس حضرت حکیم ؓ نے نبی کریم ﷺ کے بعد اپنی وفات تک کسی سے کچھ نہیں لیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو لوگوں سے مال میں اضافہ کرنے کے لئے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے۔ چاہے وہ کم طلب کرے یا زیادہ۔ (صحیح مسلم)

حضرت زبیر بن عوام ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم میں سے کسی شخص کا رسی لے کر پہاڑ پر جانا کہ ان سے لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لانا، پھر اسے بیچنا، پس اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کی ذلت سے بچتا ہے۔ یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور وہ (چاہیں تو) دیں اور چاہیں تو انکار کر دیں۔ (صحیح بخاری)

میانہ روی

حضرت عبداللہ بن سرجس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! حسنِ سیرت (نیک چال چلن) بردباری اور میانہ روی نبوت کے اجزاء میں سے چوبیسواں حصہ ہے۔ (جامع ترمذی ۔ کتاب الادب)

میانہ روی کا مطلب ہے کہ زندگی کے معاملات میں افراط اور تفریط سے بچا جائے، نہ فضول خرچی کی جائے اور نہ بخل سے کام لیا جائے۔ زندگی میں شریعت کے بنائے ہوئے اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اپنی طرف سے دین میں سختی کرنے والے ہلاک ہوگئے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یقیناً دین آسان ہے اور جو دین میں بے جا سختی کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے۔ پس تم سیدھے راستے پر رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور اپنے رب کی طرف سے ملنے والے اجر پر خوش ہو جاؤ اور صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ کی عبادت سے مدد حاصل کرو۔ (صحیح بخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب تم میں سے کسی شخص کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آجائے تو اس کو چاہیئے کہ وہ سو

جائے یہاں تک کہ اس کی نیند دور ہو جائے۔ اس لئے کہ جب وہ اونگھتے ہوئے نماز پڑھے گا تو اس کو یہ علم نہیں ہوگا کہ شاید وہ اپنے طور پر تو مغفرت کی دعا مانگنے لگے لیکن (درحقیقت) وہ اپنے نفس کے لئے بددعا کر رہا ہو۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا تھا، آپ ﷺ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور آپ ﷺ کا خطبہ بھی درمیانہ ہوتا تھا۔ (صحیح مسلم)

صبر

صبر کے لغوی معنی ہیں کسی چیز سے رک جانا۔ ''صبر'' کو صبر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے دل کو گریہ وزاری، زبان کو شکوہ اور شکایت اور اعضاء کو بے قراری میں الٹی سیدھی حرکت سے روکنا ہے۔

صبر کے تین ارکان ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی پر صبر

۲۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت پر صبر

۳۔ اللہ تعالیٰ کی آزمائش وامتحان پر صبر

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اسْتَعِيْنُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ
إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ O

(سورۃ البقرہ ۔ ۱۵۳)

صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ
وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ O

(سورۃ آل عمران ۔ ۲۰۰)

اے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور خوب مستعد رہو اور اللہ کا تقویٰ رکھو تا کہ تم کامیاب ہوسکو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ O وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلاَّ بِاللّهِ ﴾

(سورۃ النحل: ۱۲۷-۱۲۶)

اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر بہت اچھا ہے صبر کرنے والوں کے لئے اور (اے محبوب) آپ صبر کریں اور نہیں آپ کا صبر مگر اللہ کی توفیق سے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجراً جَمِيْلاً O

(سورۃ المزمل ۔ ۱۰)

اور صبر کیجئے کافروں کی باتوں پر اور انہوں خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَاصْبِرُواْ إِنَّ اللّهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ O

(سورۃ انفال ۔ ۴۶)

اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِکَ لَمِنُ عَزُمِ الْأُمُورِ O

(سورۃ الشوریٰ ۔ ۴۳)

البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور در گزر کرے تو یہ بڑے اولوالعزم کاموں میں سے ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجُرَهُم بِغَيُرِ حِسَابٍ ﴾

(سورۃ الزمر ۔ ۱۰)

بے شک صبر کرنے والوں کو ہی ان کا پورا پورا، بے شمار اجر دیا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَلَنَبُلُوَنَّكُمُ حَتَّى نَعُلَمَ الُمُجَاهِدِيُنَ مِنكُمُ وَالصَّابِرِيُنَ وَنَبُلُوَ أَخُبَارَكُمُ O

(سورۃ محمد ۔ ۳۱)

ہم ضرور ان کو آزمائش میں ڈالیں گے تاکہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! ﴿ یایھا الذین اٰمنوا اصبروا ﴾

یعنی اے ایمان والو! صبر کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مومن پر تعجب ہے کہ اس کی ہر بات بہتر ہے اور یہ کسی اور کو میسر نہیں مگر مومن ہی کو۔ اگر اسے خوشی پہنچے، اس نے شکر کیا اور اگر اس کو سختی پہنچے تو صبر کیا پس (دونوں صورتوں میں) اس کے لئے بہتر ہے۔

انسان کے اندر دو قوتیں ہیں ایک دینِ حق پر چلنے کے لئے ابھارتی ہے اور دوسری نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔ نفس کی خواہشات کو دبا کر دین پر عمل درامد کرنے کو صبر کہتے ہیں۔ اس کی حقیقت یہ ہے

(حبس النفس علیٰ مانکرہ)

یعنی ناگوار باتوں پر نفس کو جمانا، اس پر قائم رہنا اور آپے سے باہر نہ ہونا۔

صبر کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

صبر علی العمل: یعنی کسی عمل پر صبر

صبر فی العمل: یعنی کسی عمل کے کرتے وقت صبر

صبر العمل: یعنی کسی عمل کے نہ کرنے پر صبر

صبر علی العمل یہ ہے کہ نفس کو کسی کام پر روک لینا اور اس پر قائم رہنا، جم جانا۔ مثلاً نماز، زکوۃ، روزہ کی پابندی کرنا اور بلا ناغہ ان کو ادا کرتے رہنا۔

صبر فی العمل یہ ہے کہ عمل کے وقت نفس کو دوسری طرف توجہ کرنے سے روکنا۔ طاعات بجالاتے ہوئے تمام ارکان اطمینان سے ان کے آداب کے ساتھ

ادا کرنا۔ اور اپنی پوری توجہ کام کی طرف رکھنا۔ مثلاً نماز پڑھتے کھڑے ہوئے یا ذکر میں مشغول ہوئے تو نفس کو یہ سمجھا دیا جائے کہ تم اتنی دیر تک سوائے نماز یا ذکر کے کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتے یا دوسری طرف توجہ کرنا فضول ہے۔ اتنی دیر تک نماز یا ذکر کی طرف ہی متوجہ ہونا ہوگا۔

صبر عن العمل میں نفس کو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی باتوں سے روکنا ہے۔

حالات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ نعمت اور مصیبت

نعمت سے مسرت ہوتی ہے اور مسرت کی وجہ سے نعمت عطا کرنے والے سے محبت ہو جاتی ہے۔ اس کے برخلاف مصیبت سے ناگواری ہوتی ہے اور مصیبت میں صبر کرنا ہوتا ہے۔ مصیبت اس حالت کو کہتے ہیں جو نفس کو ناگوار ہو۔ ایک صورتِ مصیبت ہوتی ہے اور دوسری حقیقتِ مصیبت۔ جس سے تکلیف اور پریشانی بڑھے وہ تو گناہوں کی وجہ سے ہے۔ حقیقتِ مصیبت سے اللہ تعالیٰ کے تعلق میں ترقی، تسلیم و رضا زیادہ ہو۔ وہ حقیقت میں مصیبت نہیں ہے گویا مصیبت کی صورت میں ہے۔ عارفین کو مصیبت کا احساس تو ہوتا ہے بلکہ ادراک لطیف ہونے کی وجہ سے دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے مگر ان کا رنج و غم حد سے بڑھا ہوا نہیں ہوتا اس لئے کہ ان کی نظر اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہے۔

مصائب سے بہت سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو خاص درجہ اور مرتبہ عطا کرنا چاہتا ہے جو اس کو اپنے عمل سے حاصل نہیں

ہوسکتا تو اللہ تعالیٰ اسے کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا کر دیتا ہے جس سے وہ اس درجہ عالیہ کو پالیتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اہل مصائب کو دیکھ کر اہلِ نعمت کہیں گے کاش ہماری کھالیں دنیا میں قینچیوں سے کاٹی جاتیں تا کہ آج ہم کو بھی یہ درجات ملتے جو اہل مصائب کو عطا ہوئے ہیں۔ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص اپنا انتقام خود لے لیتا ہے تو اللہ تعالی اس کا معاملہ اسی کے سپرد کر دیتا ہے اور جو صبر کرتا ہے تو اس کی طرف سے حق تعالیٰ انتقام لیتے ہیں۔ کبھی دنیا میں ہی مزا چکھا دیتے ہیں اور کبھی آخرت تک پوری سزا کو ملتوی کر دیتے ہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

﴿ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ ﴾

(سورۃ البقرہ ـ ١٥٦)

جن پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں، بیشک ہم بھی اللہ کا ہی (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں

یعنی مصیبت اور غم کے وقت زبان کو " انا للّٰہ و انا الیہ راجعون " کے ورد میں مشغول کرلیا جائے اور دل کو اس کے معنی کے تصور میں کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں اور مالک کو ہمارے ساتھ ہر قسم کے سلوک کرنے کا اختیار ہے اور غلام کو چاہئے کہ مالک کے تصرف پر راضی رہے۔

مصیبت کے وقت اپنے گناہوں اور خطاؤں کو یاد کر کے توبہ کرے اور پریشان نہ ہو۔ کیونکہ خطاؤں پر جو سزا ہوتی ہے اس پر شکایت نہیں کی جاتی بلکہ نادم ہوا جاتا ہے کہ میں اسی قابل تھا۔ پھر اس بات کو بھی ذہن میں رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے مصیبت پر بہت اجر رکھا ہے اس طرح مصیبت میں ثابت قدم رہے گا اور کوئی شکایتی الفاظ زبان سے نہیں نکلیں گے اور کوئی بات ایمان اور اسلام کے خلاف دل میں نہیں آئے گی۔ یہ کبھی مت سمجھیں کہ اللہ ہم سے ناراض ہے کیونکہ یہ خیال انتہائی خطرناک ہے اور اس سے ایمان کمزور ہوتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ ختم ہونے لگتا ہے۔ یوں سمجھنا چاہئے جیسے استاد کی سزا نفرت کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اصلاح کے لئے ہوتی ہے۔

مصائب کو سزا سمجھیں یا آزمائش سمجھیں، اس کے ثواب کو یاد کریں۔ شریعت نے مصیبت کے وقت صبر کرنے کی تعلیم دی ہے اسی پر کاربند رہیں۔ یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ہر مصیبت پر نعم البدل ملتا ہے اس میں نفع ضرور ہوتا ہے۔ آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی۔

ایک صبر یہ ہے کہ لوگوں کی ہر سچی بات اور درست تنقید کو کھلے دل سے تسلیم کرے۔ اگر وہ کوئی نصیحت کریں تو سر تسلیم خم کر دے کیونکہ ہر سچی بات کی تردید انسان کے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں۔ جس نے حق کو قبول نہ کیا بلکہ اسے مسترد کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں فیصلہ صادر فرماتا ہے۔

صبر ایک ایسی صفت ہے جس کی بدولت انسان ہر اس چیز کو برداشت کر لیتا ہے جو اس کے نفس پر ناگوار ہوتی ہیں۔ صبر کی موجودگی کا قلب میں اس طرح احساس ہوتا ہے کہ نفس پر گراں گزرنے والے واقعات کو آسانی سے برداشت کر لیتا ہے اور لوگوں کے سامنے شکوہ وشکایت نہیں کرتا۔ صبر نصف ایمان ہے اور یقین کل ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوں، اور حدیث میں آتا ہے کہ صبر نصف ایمان ہے۔ انسان کے اندر دو قوتیں ہیں، ایک قوت دین پر اور نیک کاموں پر ابھارتی ہے اور دوسری قوت نفس کی خواہشات کو ابھارتی ہے۔ پہلی قوت کو دوسری قوت پر غلبہ دلانے کا نام صبر ہے۔ یہ خواہش نفس کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے اور اللہ کا ذکر، موت اور قبر کو یاد کرنے، اور دوزخ کا تصور کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ نفس کا دین کی باتوں پر عمل کرنا اور دین کے خلاف باتوں میں عمل کرنے سے رکنے کا نام صبر ہے۔ مالدار کا صبر یہ ہے کہ دولت کا حصول ایسے طریقہ سے نہ ہو جو دین نے منع کئے ہوئے ہیں۔ اللہ کو ہر وقت یاد رکھا جائے، غریبوں کو حقیر نہ سمجھا جائے اور ان کے ساتھ نرمی اور احسان کا سلوک کیا جائے۔

صبر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ عبادت میں سستی نہ آئے چاہے نماز ہو، زکوۃ ہو یا روزہ ہو۔ نماز میں نیت درست ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خوشنودی کے لئے ہو نفس کی خواہشات کا اس میں دخل نہ ہو۔ نماز اپنے سر سے بوجھ اتارنے کے لئے نہ ہو دل بھی پوری طرح حاضر اور حضوری میں ہو اور ریاکاری سے پاک ہو۔

صبر کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ نفس کو گناہوں کے تقاضوں سے روکے۔

صبر کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ لوگوں کی خلاف مزاج باتوں پر صبر کرے، بدلہ لینے کی کوشش نہ کرے اور خاموش رہے۔ کوشش کرے کہ زیادتی کرنے والے کو معاف کر دے۔ یہ سوچے کہ آج ہم اس کی خطا معاف کر دیں گے تو کل روز محشر اللہ تعالیٰ بھی میری خطاؤں کو معاف کر دیں گے۔

صبر کا پانچوں درجہ یہ ہے کہ بیماریوں، مصیبتوں، نقصانات اور کسی عزیز کے فوت ہونے پر صبر کرے۔ بے قراری کی حالت میں کوئی خلاف شرع کلمہ زبان سے نہ نکالے۔ اللہ تعالیٰ پر اعتراض نہ کرے کہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا۔ یا تکلیف اور نقصان کی باتیں ہر ایک سے نہ کہتا پھرے۔ تکلیف کی حالت میں غم کو ہلکا کرنے کے لئے آنسو بہانا جائز ہے۔ لیکن ایسے موقعوں پر صبر کرنے کے اجر کو ضرور یاد رکھے۔ یہ یاد رکھے کہ تقدیر کو نہیں ٹالا جا سکتا تو پھر میں اپنا ثواب کیوں ضائع کروں۔

حضرت ابو مالک حارث بن عاصم الاشعری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! پاکیزگی نصف ایمان ہے، اور ''الحمدللہ'' کہنا اعمال کے ترازو کو بھر دیتا ہے، اور ''سبحان اللہ الحمدللہ'' میزان کو بھر دیتے ہیں کہ یہ دونوں کلمات زمین و آسمان کے درمیان تمام حصہ کو بھر دیتے ہیں، اور نماز نور ہے، اور صدقہ برہان (ایمان کی دلیل) ہے، اور صبر روشنی ہے، اور قرآن تمہارے لئے یا تمہارے خلاف دلیل ہے، ہر شخص صبح اپنی جان کا سودا کرتا ہے۔

پس بعض لوگ اسے آزاد کرنے والے ہوتے ہیں اور بعض ہلاک کرنے والے۔

(صحیح مسلم: کتاب الایمان)

حضرت صہیب بن سنان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، درحقیقت اس کی ہر حالت اچھی ہے۔ مومن کے لئے ہی یہ بات ہے کہ اگر اسے خوشحالی نصیب ہو پھر وہ شکر کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے نقصان دہ معاملہ پیش آئے اور وہ صبر کرے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے۔ (اس پر بھی اجر وثواب ملے گا)

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ بیمار ہوئے اور آپ پر بے چینی چھانے لگی تو حضرت فاطمہ الزہراءؓ نے فرمایا! اف والد گرامی کی تکلیف: تو آپ ﷺ نے فرمایا! آج کے بعد تمہارے باپ کو بے چینی نہیں ہوگی۔ اور جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو حضرت فاطمہ الزہراءؓ فرمانے لگیں۔ اے میرے ابا جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہے۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا وہ مومن بندہ جس کی محبوب ترین چیز میں واپس لے لوں لیکن وہ اس پر ثواب کی نیت سے (صبر ورضاء کا مظاہرہ کرے) تو اس کے لئے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو سعید خدری ؓ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! مسلمان کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کے کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس کو مصیبت سے دوچار کر دیتا ہے۔

(صحیح بخاری)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم میں سے کوئی شخص کسی تکلیف کی وجہ سے جو اسے پہنچی ہو موت کی آرزو نہ کرے اگر (تکلیف کی نوعیت ایسی ہو کہ اس کے بغیر) چارہ نہ ہو تو اس طرح دعا کرے!

اے اللہ! تو مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہو

اور اس وقت مجھے موت دے جب موت میرے لئے بہتر ہو۔

(صحیح بخاری و مسلم)

شکر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! ’’ وَاشْكُرُوا لِي ‘‘ ۔ اور میرا شکر کرو

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ان اصابته سرائشکر

یعنی اگر اس کو خوشی پہنچی تو شکر کیا۔

﴿ وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ﴾

(سورۃ الزمر ۔ ۷)

اگر تم شکر ادا کرو تو وہ (اللہ) اسے پسند کرے گا۔

نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اور پھر اس کو اللہ سے خوش ہونا اور اس کے حکم کی تعمیل میں سرگرمی کرنے کا نام شکر ہے۔

نعمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنے میں دو باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے خوش ہونا دوسرے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں لگ جانا۔ خواہ یہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنا اس کی دی ہوئی نعمتوں سے اپنے اعضاء گناہوں سے پاک رکھنا، اس کی نعمتوں سے راضی رہنا شکر کہلاتا ہے۔ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب مخلوق کی پیدائش کے اغراض ومقاصد اور یہ بات معلوم ہو کہ کیا کیا چیز کس کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مثلاً سر کا شکر یہ ہے کہ سرکشی نہ کرے اور اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہو، آنکھ کا ایک شکر یہ ہے کہ قرآن مجید اور علم دین کی کتابوں کے پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی مخلوقات اور اشیاء پر غور وخوض

کرنے اوران سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے میں خرچ کرے اور ممنوعات کو دیکھنے سے پرہیز کرے۔ اسی طرح کان ایک نعمت ہے اس کا شکر یہ ہے کہ اس کو ذکرالٰہی اوران باتوں کے سننے میں استعمال کرے جو آخرت کے لئے نفع بخش ہوں۔ لغویات اور فضول کلام سننے سے باز رہے۔ زبان کو ذکراللہ، حمد وثنا اوراظہارِ شکر میں مشغول رکھے ہر وقت شکوہ شکایت سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شکایت مخلوق کے سامنے ویسے بھی لغو عمل ہے کیونکہ مخلوق اللہ کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ ہر عمل کی ایک روح اور مغز ہے پس شکر کی روح یہ ہے کہ دل سے مالکِ حقیقی کی قدر کرے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ایسی دولت ہے جس سے بے شمار نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ کتنی ایسی نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو مانگے بغیر عطا فرما دی ہیں۔ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اسے زندگی عطا فرمائی، دیکھنے سننے بولنے کی قوت عطا فرمائی۔ یہ دل و دماغ، ہاتھ پاؤں، آنکھیں ناک کان سر سے پاؤں تک تمام وجود اللہ کی طرف سے عظیم احسان کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللّٰهِ

لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝

(سورۃ ابراہیم ۔ ۳۴)

اوراس نے تمہیں ہر وہ چیز عطا فرمادی جو تم نے اس سے مانگی، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو (تو) پورا شمار نہ کرسکو گے۔

بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی ناشکرا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾

(سورۃ النحل ۔ ۷۸)

اسی نے تمہارے کان اور آنکھ اور دل بنائے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

جب انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہتا ہے تو اس کے اندر صبر کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ تکلیف پر شکوہ شکایت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کرتے ہوئے اسے شرم آئے گی کہ جس کا ہر وقت شکر ادا کرتا رہتا ہوں اب اس کی نافرمانی کس طرح کروں۔ یہ شکر گزاری کی برکت ہے کہ شکر گزار آدمی سے گناہ کم سرزد ہوتے ہیں۔ شکر کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ انسان تکبر سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کو جتنی بھی نعمتیں ملی ہیں اس کو وہ اپنا کمال نہیں سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتا ہے اور اس کا اقرار کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کھانا کھانے والا شکر گزار انسان، صبر کرنے والے روزہ دار کی طرح ہے۔

(صحیح البخاری ۔ الاطعمۃ)

شکر کی قسمیں۔

۱۔ زبان سے: نہایت عجز و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرنا۔ خالق کا شکر کرنا

۲۔ بدن و اعضاء سے: وفاداری اور خدمت دکھانا۔

۳۔ دل سے: اللہ تعالیٰ کے احترام کا خیال کرتے رہنا اور ہمیشہ اس کے احسان کو پیشِ نظر رکھنا۔

۴۔ جس مخلوق سے نعمت ملے اس کا شکریہ ادا کرنا۔

شاکر اسے کہتے ہیں جو عطا شدہ چیز پر شکر کرے اور شکور وہ ہوتا ہے جو چیز کے چھن جانے پر بھی شکر کرے۔

خالق کائنات کا شکر اس بات پر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا۔ یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں اور اضافہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے انسانوں کی ناشکری کی اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماں باپ، استاد، شیخ اور تمام احسان کرنے والوں کا شکر گذار ہونا چاہیئے اور ان کا ادب کرنا چاہیئے، یہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا ایک حصہ ہے۔ کسی شخص کو جس سے کوئی چیز ملی ہو تو وہ ہدیہ دینے والے

کے بدلے میں ہدیہ دے، اگر اتنی وسعت نہ ہو تو ہدیہ دینے والے کی تعریف ہی کر دے۔ اس طرح اس کا شکر ادا ہو جائے گا۔ شکر کی حقیقت نعمت کی قدر کرنا ہے اور جو نعمت کی قدر کرے گا وہ نعمت دینے والے کی بھی قدر کرے گا۔ اس طرح وہ خالق اور مخلوق دونوں کا شکریہ ادا کرے گا۔ زبانی شکر سے زیادہ اہم عملی شکر ہے یعنی اپنے ساتھ احسان کرنے والے مالک حقیقی کی نافرمانی نہ کرے اور فرمانبرداری کی پوری کوشش کرے۔ اسی طرح ماں باپ، استاد اور شیخ کے حقوق کو پوری طرح سے ادا کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو دوران نماز اس قدر طویل قیام کرتے تھے کہ آپ (ﷺ) کے قدموں کی جگہ پر شگاف پڑ جایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) ! آپ اس قدر مشقت کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ نے آپ (ﷺ) کے گذشتہ اور اگلے گناہ معاف فرما دئیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! کیا میں اللہ کا شکر گذار بندہ بننا نہ پسند کروں۔ (صحیح البخاری)

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ O

(سورۃ ابراہیم ۔ ۷)

اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم کفر کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

شکر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور شکر کرنے والے کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اس نعمت کو مزید ترقی دے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ضروری ہے کہ اعمالِ صالحہ بھی ہوں اور گناہوں سے بھی بچا جائے اور توبہ واستغفار سے اعمال کی کمی کے تلافی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی وجہ سے دل میں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور شکرانے کے طور پر اس کی عبادت کرنے کا دل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو سوچا جائے، ان کا ذکر کیا جائے اور اس کے احکامات کی پابندی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت گناہ کے کاموں کو چھوڑ دینا ہے۔ اس پر شکر ادا کرنا محض اللہ کی رحمت سے ہوتا ہے اور اس رحمت کی وجہ سے انسان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

اللّٰھم ارحمنی بترک المعاصی

اے اللہ! ہم پر وہ رحمت نازل کر جس سے ترکِ معاصی کی توفیق ہو جائے

گناہوں کو چھوڑ دینا ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ عام لوگ گناہوں کو چھوڑ دینے کو کوئی نعمت نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بہت بڑی نعمت ہے اور ولی اللہ بننے کی ضمانت ہے۔ کیونکہ تقویٰ اختیار کئے بغیر کوئی بھی اللہ کا ولی نہیں بن سکتا۔ اسی عمل سے ایک

مسلمان اللہ کا دوست بن سکتا ہے۔ یہ نعمت نہ کافر کو ملتی ہے نہ فاسق کو اور نہ منافق کو ملتی ہے۔ اس لئے اس نعمت کا شکر ادا کرنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ گناہوں کا چھوڑ نا بھی اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

ایک اہم بات قابل غور ہے کہ ابلیس کو جب ملعون اور مردود قرار دیتے ہوئے جنت سے نکل جانے کا حکم دیا تو اس وقت اس نے قسم کھائی کہ چونکہ اس آدم (علیہ السلام) کی وجہ سے مجھے جنت سے نکلنا پڑا ہے، لہٰذا وہ آدم (علیہ السلام) کی اولاد سے اس بے عزتی کا انتقام ضرور لے گا اور آدم (علیہ السلام) کی اولاد کو اس جنت سے دور اور محروم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ انہیں صراط مستقیم سے گمراہ کرنے کے لئے ہر طرف سے ان پر حملہ آور ہوگا، کبھی سامنے سے کبھی پیچھے سے، کبھی دائیں سے اور کبھی بائیں سے۔ اور پھر مزید یہ دھمکی دی کہ جس کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح ہے۔

ثُمَّ لآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَآئِلِهِمْ وَلاَ تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ O

(سورۃ الاعراف ۔ ۱۷)

پھر میں یقیناً ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے ان کے پاس آؤں گا اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائے گا۔

اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے ابلیس نے اس بات کا عزم کیا کہ اے اللہ! ابنِ آدم کے بارے میں اتنا کارنامہ تو میں ضرور انجام دوں گا کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہوگا کہ وہ آپ کی عطا کردہ تمام نعمتوں کے باوجود آپ کی ناشکری ہی کرتے رہیں گے۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے والا دراصل شیطان کے زیرِ اثر ہے اور اپنے خالق و مالک اور محسن و منعم کو ناراض کر رہا ہے اور اپنے بدترین دشمن کو خوش کر رہا ہے۔ اگر اسے اللہ کی خوشنودی اور رضا مندی کی جستجو ہوتی تو وہ یقیناً اس کی ناشکری کے بجائے شکر گزاری اور احسان مندی کا راستہ اختیار کرتا۔

شکر گزاری کی توفیق صرف اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جس کا رزق حلال ہو۔ حرام کھانے والے انسان کو کبھی اللہ کا شکر ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ شکر گزاری کے فیوض و برکات سے بھی محروم رہتا ہے۔

شکر گزاری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے اس بات کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ ہر مسلمان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اسے دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اور مغفرت حاصل ہو اور عذاب جہنم سے چھٹکارا مل جائے۔ اس بات کے لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے خوش خبری ہے کہ جب تک وہ سچے دل سے اور اخلاص کے ساتھ ایمان پر قائم رہیں گے اور خلوص دل سے اللہ کا شکر بجا لاتے رہیں گے اس وقت تک وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

مَّا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِراً عَلِيْماً O

(سورۃ النساء ۔ ۱۴۷)

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے آؤ۔

اللہ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔

رزقِ حلال

رزق حلال کمانا مسلمان پر فرض ہے۔ اتنا کمانا فرض ہے جو کمانے والے اور اس کے اہل و عیال کی معاشی ضروریات کے لئے اور اگر اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کی ادئیگی کے لئے کافی ہو جائے۔ اس سے زیادہ کمانا مستحب ہے بشرطیکہ اس نیت کے ساتھ زیادہ کمائے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات سے جو بچے گا وہ فقراء اور مساکین اور اپنے دوسرے مستحق عزیز و اقرباء پر خرچ کروں گا۔ اس میں کمانے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ خرچ کرتے وقت اسراف اور بخل سے بچے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُواْ لِلّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ O

(سورۃ البقرہ ۔ ۱۷۲)

اے ایمان والے تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو تمہیں عطا کی گئی ہیں، اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

﴿كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾

(سورۃ البقرہ ۔ ۵۷، سورۃ الاعراف ۔ ۱۶۰)

اور ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَن يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ O

(سورۃ طٰهٰ ۔ ۸۱)

تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا، اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ یقیناً تباہ ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ رزق کو حاصل کئے بغیر نہیں مرے گا۔ سنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور رزق کے حصول میں جائز ذرائع اور وسائل کام میں لاؤ۔ رزق کے حصول میں تاخیر تمہیں ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ اس لئے کہ اللہ کے پاس جو کچھ بھی ہے صرف اس کی اطاعت سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(مشکوٰۃ: ج ۲ ص ۴۵۲)

انسان کو اگر کبھی رزق کے حصول میں مشکل اور تاخیر ہو رہی ہو تو مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کی جو مقدار اس کے لئے مقرر کی ہوئی ہے وہ اسے ضرور ملے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص حرام مال کمائے پھر اس سے صدقہ دے تو وہ قبول کر لیا جائے اور پھر وہ اپنے مال میں برکت سے بھی نوازا جائے۔ اس کا چھوڑا ہوا صرف جہنم کا توشہ بن سکتا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا، بلکہ برائی کو بھلائی سے ختم کرتا ہے۔ نجاست سے نجاست کو مٹا کر پاکیزگی نہیں حاصل کی جاسکتی۔ (مشکوٰۃ: باب الکسب الحلال)

حرام مال سے صدقہ اور خیرات اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہے اور جو حرام مال انسان اپنے مرنے کے بعد چھوڑ جاتا ہے اس کا بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ وہ مال بھی اس کے لئے وبال ثابت ہوتا ہے اور اسے جہنم میں لے جانے کا سبب بنتا ہے۔

حضرت مقدام بن ابن معدی ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! کبھی کسی نے اپنے ہاتھ کی محنت کی روزی سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کمائی ہوئی روزی کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کو جو مال ملے گا اس کے بارے میں وہ اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ (صحیح بخاری)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فتح مکہ کے سال مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا! اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول (ﷺ) نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت کو حرام قرار دیا ہے۔ جب آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہمیں مردار کی چربی کا حکم بتایئے جو کہ کشتی پر ملی جاتی ہے، اس سے چمڑے کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ گھروں میں اس سے چراغ جلاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! مردار کی چربی بھی حرام ہے اس لئے اس سے یہ فائدے اٹھانے جائز نہیں ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے اسی وقت یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت کرے جب اللہ تعالیٰ نے مردار کی چربی کو حرام قرار دیا تو یہودی چربی کو پگھلاتے اور بیچ ڈالتے اور پھر اس کی قیمت کھا جاتے تھے۔

(صحیح بخاری ومسلم)

کھانے کے آداب

حضرت عمر بن ابی سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کا نام لو (یعنی کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھو) اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے لگے تو اللہ کا نام یاد کرے (بسم اللہ) پڑھے، اگر کھانے کے آغاز میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو اس طرح کہہ لے " بسم اللّٰہ اولہ و آخرہ " (اول و آخر دونوں حالت میں اللہ کے نام سے)۔ (سنن ابوداؤد، جامع ترمذی)

حضرت امیہ بن مخشی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور ایک آدمی بغیر بسم اللہ پڑھے کھانا کھا رہا تھا حتیٰ کہ جب اس کے کھانے کا صرف ایک لقمہ باقی رہ گیا اور اس نے منہ کی طرف اٹھایا تو (تو اسے یاد آیا) اس نے کہا " بسم اللّٰہ اولہ و آخرہ "۔ تو نبی کریم ﷺ مسکرائے اور فرمایا! شیطان اس کے ساتھ کھانا کھاتا رہا پر جب اس نے اللہ کا نام لیا تو اس نے پیٹ کا سارا کھانا قے کر کے نکال دیا۔ (سنن ابوداؤد، سنن نسائی)

حضرت ابوامامہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ ﷺ یہ دعا پڑھتے!

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْراً طَيِّباً مُبَارِكاً فِيْه غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَ لَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبُّنَا ﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، ایسی تعریف جو بہت ہو، پاکیزہ ہو اور اس میں برکت دی گئی ہو، نہ اس سے کفایت کی گئی ہے نہ یہ آخری کھانا ہے اور نہ اس سے بے نیازی ہوسکتی ہے، اے ہمارے رب۔ (صحیح بخاری)

حضرت معاذ بن انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس شخص نے کھانا کھایا پھر یہ دعا پڑھی!

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِى أَطْعَمَنِى هٰذَا وَرَزَقَنِيْه مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِنِّى وَلَا قُوَّةٍ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ﴾

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھلایا اور یہ رزق مجھے دیا، بغیر میری طاقت اور تدبیر اور قوت کے۔

تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے جاتے ہیں۔

(سنن ابوداوٗد، سنن ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر وہ کھانا پسند ہوتا تو کھا لیتے اور اگر ناپسند ہوتا تو اسے چھوڑ دیتے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں سے کھانے کے لئے سالن مانگا تو انہوں نے کہا، ہمارے پاس سرکہ کے علاوہ کچھ نہیں تو آپ ﷺ نے وہی منگوالیا اور اس کے ساتھ کھانا شروع کر دیا اور فرمانے لگے کہ سرکہ تو بہت اچھا سالن ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت سلمہ بن اکوع ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا! اپنے دائیں ہاتھ سے کھا، اس نے کہا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا! نہ ہی رکھے گا۔ (اس نے تکبر کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے حکم سے انکار کیا تھا) اسے تکبر نے روکا پس وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ تک نہیں اٹھا سکا (یعنی آپ ﷺ کی بددعا سے اس کا ہاتھ مفلوج ہو گیا اور وہ اسے اٹھانے کے قابل نہیں رہا)۔

(صحیح مسلم)

حضرت وحشی بن حرب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے (کچھ) صحابہ ؓ نے عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ! ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن سیر نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا! شاید تم الگ الگ کھاتے ہو، انہوں نے کہا! ہاں! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم کھانا اکٹھے ہو کر کھایا کرو اور اللہ کا نام لو (بسم اللہ) پڑھو، تمہارے لئے کھانے میں برکت ڈال دی جائے گی۔

(سنن ابوداؤد)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! برکت کھانے کے درمیان میں اترتی ہے، تم اس کے دونوں کناروں سے کھاؤ اور اس کے درمیان میں سے مت کھاؤ۔ (سنن ابوداؤد، سنن ترمذی)

حضرت کعب بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تین انگلیوں سے کھانا کھاتے دیکھا، پھر جب آپ کھا کر فارغ ہو گئے تو ان کو چاٹ لیا۔ (مسلم)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے اور اس میں جو مٹی لگ گئی ہو تو اسے صاف کر لے اور کھا لے اور اسے شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور اپنے ہاتھ تولیہ سے نہ پونچھے یہاں تک کہ پہلے اپنی انگلیاں چاٹ لے۔ اس لئے کہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کے کون سے کھانے میں برکت ہے۔ (مسلم)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو اور دو کا کھانا چار کو اور چار کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہوتا ہے۔ (مسلم)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم اونٹ کی طرح ایک ہی سانس میں پانی مت پیئو بلکہ دو دو اور تین تین سانس میں پیا کرو اور جب کچھ پینے لگو تو اللہ کا نام (بسم اللہ) لو اور جب پی کر فارغ ہو تو (الحمدللہ) اللہ کی حمد کرو۔ (ترمذی)

حضرت ابوقتادہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (کھاتے و پیتے وقت) برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے برتن میں سانس لینے سے یا اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا ہے۔

(ترمذی)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو زم زم کا پانی پلایا تو آپ ﷺ نے اسے نوش کیا جبکہ آپ ؐ کھڑے ہوئے تھے۔

(بخاری و مسلم)

حضرت حدیفہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ریشمی لباس کے پہننے اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لئے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

صدق

الصادقین:

سچائی بہت بڑی صفت ہے۔ ایمان میں سچائی ہوتو انسان منافق نہیں ہوتا۔ اقوال میں سچا ہوتو انسان جھوٹ نہیں بولتا۔ اعمال میں سچا ہوتو اسے اچھی طرح انجام دیتا ہے۔ نیت میں سچا ہوتو سب عمل درست ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم سچ کو لازم پکڑ لو کیونکہ سچ نیکی کی راہ بتاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف لے کر جاتی ہے اور انسان برابر سچ کو اختیار کرتا ہے اور اہتمام سے سچ بات کی فکر کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے نزدیک صدیق (بہت زیادہ سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ گاری کی راہ بتلاتا ہے اور گناہ گاری دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ جب انسان برابر جھوٹ اختیار کرتا ہے اور دھیان کر کے سوچ سوچ کر جھوٹ کو اختیار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کذاب (بہت زیادہ جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْراً لَّهُمْ O

(سورۃ محمد ـ ۲۱)

اگر وہ اللہ سے سچے رہتے تو ضرور ان کے لئے اچھا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

﴿ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ﴾

(سورۃ الاحزاب ۔ ۲۳)

جنہوں نے سچا کر دیا اس عہد کو جو اللہ سے کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولاً نَّبِيّاً O

(سورۃ مریم ۔ ۵۴)

اور آپ کتاب میں اسمٰعیل (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے بے شک وہ وعدے کے سچے تھے اور صاحب صدق نبی تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

﴿ لِيَسْئَلَ الصَّادِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ ﴾

(سورۃ الاحزاب ۔ ۸)

تاکہ (اللہ) سچوں سے ان کے سچ کے بارے میں پوچھے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللَّهِ

أُولَئِکَ هُمُ الصَّادِقُونَ O

(سورۃ الحجرات ۔ ۱۵)

مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر پختہ ایمان لائیں
اور شک میں نہ پڑیں اور اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ
میں جہاد کرتے رہیں ، یہی لوگ سچے ہیں۔

صدیق اسے کہتے ہیں جو دین میں جس مقام کو حاصل کرے اس کو اپنے
کمال تک پہنچا دے۔

" صدق " یعنی سچائی ہر خیر و خوبی کا منبع ہے اور ہر فضیلت کا سرچشمہ، جبکہ اس کے برعکس جھوٹ ہر خرابی اور ہر برائی کی بنیاد و جڑ ہے۔ صدق کے معنی پختگی کے ہیں۔ اس لئے ولی کامل کو صدیق کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تمام احوال، افعال اور اقوال میں سچا ہوتا ہے۔ جو شخص اپنی بات میں سچا ہو اسے صادق الاقوال کہتے ہیں۔ جو شخص اپنے اعمال میں سچا ہو اسے صادق الافعال کہتے ہیں۔ جو شخص اپنے احوال و کیفیات میں سنت کا پابند ہو اس کو صادق الاحوال کہتے ہیں۔ اسے کسی خوشامد پرست کی خوشامد فریب نہ دے سکتی اور نہ ہی وہ کسی چاپلوسی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ جب ایسے بندے کے اسرار و رموز عام لوگوں پر کھلتے ہیں جس سے اس کے قلب پر منفی یا مثبت اثرات مرتب ہونے لگیں تو فوراً ناپسندیدگی کے انداز میں لوگوں سے پہلو بچاتا ہے۔ اگر کوئی اس کی تعریف شروع کر دے تو اللہ کی حمد بیان

کرنے لگتا ہے تا کہ غرور نہ کر سکے اور اس کی خوبیاں لوگوں پر ظاہر نہ ہو سکیں۔

قرآن کریم میں صدیقین یعنی سچ بولنے والوں کا تذکرہ انبیاء اور شہداء کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

فَأُوْلَـئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولَـئِكَ رَفِيْقاً O

(سورۃ النساء ۔ ٦٩)

یہی لوگ (روز قیامت) ان (ہستیوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (خاص) انعام فرمایا جو کہ انبیاء، صدیقین، شہداء، اور صالحین ہیں، اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قَالَ اللّهُ هَذَا يَوْمُ يَنفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا أَبَداً رَّضِيَ اللّهُ عَنْهُمْ وَرَضُواْ عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ O

(سورۃ المائدہ ۔ ١١٩)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے کہ جو لوگ سچے تھے ان کا سچا ہونا ان کے کام آئے گا۔ ان کو باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی،

جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور خوش
اور یہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، یہ تو بڑی کامیابی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ سچ بولنے والا انسان ہمیشہ پرسکون اور مطمئن رہتا ہے جبکہ اس کے برعکس جھوٹا انسان ہمیشہ بے چین رہتا ہے۔ اس کو ذہنی سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا۔ جھوٹ بول کر انسان وقتی اور عارضی فائدے تو حاصل کر سکتا ہے مگر اس کا جھوٹ زندگی بھر کے لئے اس کا وبالِ جان اور عذاب بن جاتا ہے۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں دنیا والوں کے سامنے اس کا جھوٹ ظاہر نہ ہو جائے۔ اس فکر کی وجہ سے اس کا سکون برباد رہتا ہے اور وہ زندگی کے صحیح لطف سے محروم رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سچ میں سکون و اطمینان ہے جبکہ جھوٹ بے اطمینانی اور شک وشبہ کا سبب بنتا ہے۔ (جامع ترمذی)

مخلص انسان اللہ کا وہ بندہ ہے جو اپنے اعمال کو بےکار خیال کرتے ہوئے اللہ کے خوف سے ہر وقت کانپتا رہتا ہے۔ اور لوگوں کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کے علاوہ اپنے بُرے خیالات کے سبب بھی اللہ سے ڈرتا رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے بُرے افعال اور فاسد خیالات کو اللہ تو ضرور جانتا ہے۔ اسے خدشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کے خیالات اس کی ظاہری کیفیت سے بدتر نہ ہو جائیں۔

حدیث میں آتا ہے! دل کی مخفی بات جب ظاہر سے بدتر ہو تو اس کا نام ''جوَر'' ہے (جور کے معنی ہیں ظلم وزیادتی)۔ جب ظاہری و باطنی حالتیں ایک جیسی ہوں تو اسے ''عدل'' کہتے ہیں اور جب باطن ظاہر سے افضل ہو جائے تو اسے ''فضل'' کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(جامع العلم والحکم: ابن رجب حنبلیؒ)

بندے پر لازم ہے وہ اپنی ریاضت اور عبادت کو اس قدر پوشیدہ رکھے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اسے اور کوئی نہ جانتا ہو کیونکہ چھپ کر عبادت کرنے سے انسان بہت جلد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لیتا ہے، ثواب واجر بھی اسے زیادہ ملتا ہے۔ نور سلامت اسے آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے۔ دشمن کی تمام تر تدابیر کمزور پڑ جاتی ہیں اور بندہ ہر قسم کی آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ '' عمل باطن ظاہری عمل سے ستر درجہ فضیلت رکھتا ہے۔''

بندہ تنہائی میں چھپ کر کوئی اچھا عمل کرتا ہے جس کی بدولت شیطان اس سے بیس سال تک الگ ہو جاتا ہے مگر ایک وقت میں وہ خود شیطان کو بلاتا ہے یعنی لوگوں کو اپنی تنہائی کے عمل کو بتاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے ہے کہ اس کا وہ عمل دیوانِ السِر (خلوت کے اعمال کا دفتر) سے دیوانِ علانیہ (جلوت کے عمل کا دیوان) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس عمل کا ثواب گھٹ جاتا ہے اور اس کی فضیلت بھی کم ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر اپنی تنہائی میں کیئے ہوئے عمل دوسروں کو بتاتا

ہے یہاں تک کہ وہ لوگوں میں عام ہو جاتے ہیں پھر وہ لوگوں سے اپنے اعمال کا تذکرہ سن کر خوشی محسوس کرتا ہے اور اس بندے کا سارا عمل ریا کاری بن جاتا ہے۔

اگر ایسی صورت حال درپیش ہو کہ بظاہر سچ بولنے میں کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو اس حقیقت کو یاد رکھنا چاہیئے ہمیشہ سچائی کو پکڑے رکھنے میں ہی دونوں جہانوں کی سلامتی اور عافیت ہے، جھوٹ بول کر انسان وقتی طور پر اپنی جان بچا سکتا ہے لیکن کبھی نہ کبھی یہی جھوٹ اس کے لئے دونوں جہانوں کے لئے ہلاکت و بربادی کا سبب بن سکتا ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالک ؓ کے مشہور واقعہ میں بھی رہتی دنیا کے لئے یہی پیغام ہے کہ " سچائی " کا راستہ اختیار کرنے میں ہی دنیا و آخرت کی فلاح و سلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔

حضرت حکیم بن حزام ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دو سودا کرنے والوں کو اس بات کا اختیار ہے جب تک وہ جدا نہ ہوں۔ وہ دونوں سچ بولیں اور چیز کی حقیقت صحیح صحیح بیان کریں تو ان کے سودے میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور اگر وہ چھپائیں اور جھوٹ بولیں تو ان کے سودے سے برکت مٹا دی جاتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

تواضع اور انکساری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِيْنَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً ﴾

(سورۃ الفرقان ۔ ۶۳)

اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ان کے مزاج میں اور تمام امور میں تواضع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ O

(سورۃ الشعراء ۔ ۲۱۵)

اور جو ایمان والے آپ (ﷺ) کے تابع ہیں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِيْنِهِ فَسَوْفَ يَأْتِيْ اللّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ يُجَاهِدُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ وَلاَ يَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللّهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ O

(سورۃ المائدہ ۔ ۵۴)

اے ایمان والو! تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ بہت جلد ایسی قوم پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے، وہ مومنوں کے ساتھ نرم ہوں گے اور کافروں کے ساتھ سخت، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمادے اور اللہ بڑی وسعت والا اور بڑا علم والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! **من تواضع اللّٰہ رفعه اللّٰہ**

یعنی جو شخص اللہ کے لئے تواضع اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو رفعت اور بلندی عطا کرے گا۔

تواضع کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے کو حقیر سمجھے اور بڑائی اور تکبر سے بچے۔ اپنے کو ہیچ مچ مٹانے کا عزم کرے۔ اس کا اصل مجاہدہ نفس ہے۔

تواضع صرف اس کا نام نہیں کہ زبان سے اپنے آپ کو خاکسار، فقیر یا نیاز مند کہے بلکہ تواضع یہ ہے کہ اگر تم کو کوئی حقیر یا کمتر کہہ کر بُرا بھلا کہے اور ذلیل کرے تو تم جوشِ انتقام میں بھڑک نہ جاؤ اور نفس کو یوں کہہ کر سمجھاؤ کہ واقعی میں ایسا ہی ہوں پھر غصہ کیوں کروں اور کسی شخص کو اپنی بُرائی کرتے ہوئے سن کر رنج وغم نہ ہو۔ تواضع کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ تعریف اور بُرائی کا ردِعمل ایک جیسا ہو۔ تواضع میں جذب اور کشش کی خاصیت ہوتی ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

بعض اوقات شیطان تواضع میں بھی انسان کو گمراہ کر دیتا ہے اور اس کے اندر تکبر پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت تھانوی ؒ نے فرمایا کہ بعض اوقات تواضع اس طرح کرتا ہے کہ لوگ اسے بڑا سمجھیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ تواضع کے بعد اگر لوگ اس کی عزت و تعظیم نہ کریں تو برا مناتا ہے۔ اصلی اللہ والے اپنے کو اس تعظیم کا مستحق نہیں سمجھتے۔

حضرت عیاض بن حمار ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

(صحیح مسلم ۔ کتاب الجنۃ)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! صدقہ کسی کے مال کو گھٹاتا نہیں ہے اور جو بندہ درگزر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو کوئی اللہ کے لئے عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم ۔ کتاب البر)

تفویض

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ وَأُفَوِّضُ أَمۡرِیٓ إِلَى ٱللَّهِۚ إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرُۢ بِٱلۡعِبَادِ ﴾

(سورۃ الغافر ۔ ۴۴)

اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب بندوں کا نگراں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

(اذا اصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء و اذا امسیت فلا تحدث نفسک با لصباح)

مطلب یہ ہے کہ جب صبح کرو تو شام کے متعلق دل میں خیال نہ کرو اور جب شام کرو تو صبح کے متعلق اپنے دل میں خیال مت لاؤ۔

اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا کہ جو وہ چاہیں تصّرف کریں اپنے لئے کوئی حالت تجویز نہ کرنا یعنی اللہ کے سوا کسی پر نظر نہ رکھے۔ اپنے کاموں کی تدبیر کرے لیکن نتیجہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے۔

تفویض کے معنی ترکِ تدبیر نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد کی امید نہ کرے۔ جن امور میں تدبیر کا کچھ تعلق نہیں ان میں تو ابتداء ہی سے تفویض اور تسلیم اختیار کرے۔ اپنی طرف سے کوئی حالت یا نظام تجویز نہ

کرے کیونکہ یہی تمام پریشانیوں کا سبب ہے۔ ہم نے اکثر ہر چیز کا ایک خاص نظام ذہن میں رکھا ہوا ہوتا ہے اور پھر اگر اس کے خلاف ہو جائے تو تکلیف ہوتی ہے۔ جب کوئی خلاف طبع یا ناگوار واقعہ پیش آئے تو فوراً سوچے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا تصرّف ہے اس کام میں اللہ کی حکمت ہے اور مصلحت ہے۔

جو بات اپنی مرضی کے خلاف پیش آئے تو بعض اوقات حد سے زیادہ غم اور گھٹن سے صحت کو بہت نقصان پہنچتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دین کے کاموں میں بھی خلل واقع ہو جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی تقدیر سے راضی رہنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سوچے کہ یہ کام میری مرضی کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر تو ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی ہے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی میری مرضی سے بہتر ہوگی۔ اسی میں یقیناً میرے لئے خیر ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے لئے ستر ماؤں سے زیادہ مہربان ہے۔ جس نے اپنی مرضی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق کر دی اس نے تمام رنج وغم سے چھٹکارا پا لیا۔ یہی وہ تعلیم ہے جس کی وجہ سے اللہ والے نہایت سکون واطمینان سے رہتے ہیں۔ دنیادار تو معمولی پریشانی سے بے چین ہو جاتا ہے اور بدحواسی میں الٹی سیدھی حرکتیں کرنے لگتا ہے جبکہ اللہ والے غم کے پہاڑ کو بھی مچھر کے پر کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ انسان کی بدبختی ہے کہ غم اور پریشانی میں اللہ تعالیٰ سے خیر مانگنا بند کر دے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ناخوش ہو جائے۔ مومن ہر حال میں کامیاب رہتا ہے نعمتوں کے ملنے پر شکر کر کے اور ناموافق حالات میں صبر کر کے اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے۔

رضا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! ﴿ رضی اللّٰہ عنھم و رضوعنہ ﴾

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

(من سعادہ ابن اٰدم رضاہ بما قضی اللّٰہ لہ)

(رواہ الترمذی واحمد)

یعنی آدمی کی سعادت سے ہے راضی رہنا اس پر جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔

رضا کی حقیقت یہ ہے کہ قضا پر اعتراض نہ کرنا زبان سے اور دل سے بھی۔ رضا بر قضا کا بعض مرتبہ ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ تکلیف بھی نہیں محسوس ہوتی۔ اگر تکلیف اور غم کا احساس نہ ہو تو رضائے طبعی ہے اور اگر تکلیف کا احساس باقی رہے تو رضائے عقلی ہے۔ رضائے طبعی حال ہے جس کا بندہ مکلّف نہیں اور رضائے عقلی مقام ہے جس کا بندہ مکلّف ہے۔ قضا پر راضی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تکلیف کی صورتوں میں تکلیف تو محسوس ہوتی ہے مگر چونکہ عقل نے اس کے بہتر انجام یعنی ملنے والے ثواب سے مطلع کر دیا اس لئے طبیعت اس تکلیف کو آسانی سے گوارا اور برداشت کرتی ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ ڈاکٹر مریض کو کڑوی دوا دیتا ہے یا آپریشن کرنے کی ہدایت دیتا ہے یہ سب تکلیف کی باتیں ہیں لیکن نتیجہ تندرستی اور

صحت یابی ہے اور مریض جانتا ہے تو وہ سب کچھ برداشت کر لے گا۔ وہ ان تکالیف کے بتانے والے ڈاکٹر کا احسان مند ہوگا اور اس سے راضی ہوگا۔

اسی طرح جو شخص سچے دل سے اس بات کا یقین کرے کہ دنیا کی ہر تکلیف پر اللہ تعالیٰ نے اجر رکھا ہوا ہے اور ہر مصیبت اور صدمہ پر ثواب عطا ہوگا جس کے مقابلہ میں عارضی تکلیف کچھ بھی نہیں تو اس یقین سے وہ ضرور خوش ہوگا کہ جس وقت اللہ تعالیٰ سے جو عطا ہوتا ہے وہی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اس کے خلاف تمنا نہیں کرنی چاہئے، جب اللہ تعالیٰ بظاہر ہمارے نقصان ہی کو بہتر سمجھ رہے ہیں تو ہم کو اس بات سے دکھ نہیں ہونا چاہئے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے جیسا بنا دیا اس کے لئے وہی مناسب ہے۔ البتہ دعا کرنا خلافِ رضا نہیں۔ اہل اللہ اس لئے بھی دعا کرتے ہیں کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ کسی چیز کا ملنا یا نہ ملنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ چیز حاصل نہیں ہوتی تو تنگ دل نہیں ہوتے اور نہ اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہیں۔

استقامت اور مستقل مزاجی

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ O نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ O نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ O

(سورۃ فصلت [حم سجدہ]: ۳۲ ـ ۳۰)

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر استقامت کی۔ ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے کہ) نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور تم جنت کی خوشیاں مناؤ جس کا تم سے وعدہ کی جاتا تھا۔ دنیاوی زندگی میں اور آخرت میں بھی ہم تمہارے رفیق ہیں اور تمہارے لئے اس میں وہ سب موجود ہے جو تمہارا جی چاہے گا اور تمہارے لئے وہ بھی جو تم مانگو گے۔ یہ اس بڑے بخشنے والے نہایت مہربان کی طرف سے بطور ضیافت ہوگا۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

وَلا هُمْ يَحْزَنُونَ O أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ
فِيْهَا جَزَاء بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ O

(سورۃ الاحقاف:۱۴ ۔ ۱۳)

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ قائم رہے تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

حضرت ثوبانؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ایمان پر جم جاؤ اور استقامت اختیار کرو۔ لیکن لگتا نہیں کہ یوں کر سکو گے اور یقین رکھو کہ تمہارے دین میں بہترین چیز نماز ہے اور وضو خشوع و خضوع کے ساتھ مومن ہی کر سکتا ہے۔ (ابن ماجہ و مسند احمد)

'' استقامت '' ایک ایسا درجہ ہوتا ہے جس سے کام مکمل ہوتے ہیں اور اپنی انتہا کو پہنچتے ہیں۔ اسی سے بھلائیاں حاصل ہوتی ہیں اور منظّم ہوتی ہیں۔

جو استقامت کے درجہ کو نہیں پہنچتا اس کی حالت ضائع ہو جاتی ہے اور کوششیں برباد ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَلاَ تَكُونُواْ كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثاً ﴾

(سورۃ النحل ۔ ۹۲)

اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کات لینے کے بعد توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

جو شخص استقامت نہیں کرتا وہ اپنے مقام سے آگے نہیں بڑھ سکتا کیونکہ انسان کو زندگی میں اسے مصائب اور مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر وہ انسان کمزوری دکھاتا ہے تو وہ دین کے بہت سے احکامات پر عمل کرنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات گناہوں کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دین کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ وہ کام ہے جو آدمی مستقل مزاجی اور پابندی کے ساتھ کرتا ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم، مشکوٰۃ: باب قصد فی العمل)

مستقل مزاجی سے اگر تھوڑا کام بھی کیا جائے تو وہ نتائج کے لحاظ سے اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان وقتی جوش میں آ کر کوئی اچھا کام کرے پھر اس کو طویل عرصے کے لئے چھوڑ دے۔

فرائض و واجبات کی ادائیگی ضروری ہے لیکن نوافل کا بھی اہتمام کرتے رہنا چاہئے۔

شرم و حیاء اور پاک دامنی

شرم و حیاء مرد کی زینت اور عورت کا زیور ہے۔ اسلامی تعلیمات اور ادب کی رو سے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حیادار اور باوقار ہو۔ بے حیائی، فحش گوئی، اور لغویات اور بیہودہ گفتگو سے پرہیز کرے۔ ایمان والے کی پہچان یہی ہے کہ وہ ہر قسم کی بے ہودہ لغو بات اور بے ہودہ کام سے پرہیز کرتے ہیں۔ شرم و حیاء ایسی صفت ہے کہ جس پر انسانیت، شرافت، عزت، عفت، راست بازی، پاکدامنی کی بنیاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حیاء اخلاق کی روح اور ہر خیر و خوبی کا سرچشمہ ہے جبکہ بے حیائی ہر برائی کی جڑ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"حیاء" ایمان کا ایک حصہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ سے حیاء ایسی کیا کرو جیسا اس کا حق ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ! الحمدللہ! ہم حیاء کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہ حیاء نہیں کہہ رہا (جسے تم سمجھ رہے ہو)۔ بلکہ جو اللہ سے حیاء کا سوچتا ہے اسے سر، کان، آنکھ، زبان، پیٹ اور اس سے متعلق چیزوں (شرمگاہ وغیرہ) کی حفاظت کرنی ہوگی۔ موت اور آزمائشوں کو یاد رکھنا ہوگا۔ اور جو آخرت کی بہتری چاہتا ہو تو دنیا

کی رنگینی کو خیر آباد کہنا ہوگا۔ جو یہ کرے گا تو اس نے حیاء کرنے کا حق ادا کر دیا۔

حیاء سے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود اپنے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے! اللہ تو انتہائی باحیاء اور بہت ہی مہربان ہے۔ جب کوئی بندہ دعا کے لئے اس کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہ اسے خالی ہاتھ اور نامراد لوٹاتے ہوئے اللہ کو حیاء محسوس ہوتی ہے۔ (جامع ترمذی)

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کسی پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرمیلے تھے۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر دین کا ایک خاص اخلاق ہوا کرتا ہے اور دین اسلام کا خاص اخلاق "حیاء" ہے۔ (ابن ماجہ)

یعنی دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماننے والوں اور پیروکاروں کا ایک خاص مزاج ہوا کرتا ہے اور ان میں ایسی کوئی خاص صفت یا عادت نمایاں ہوتی ہے جو انہیں دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے اور جسے ان کی شناخت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح دین اسلام کا بھی ایک خاص امتیازی وصف اور ایک خاص پہچان ہے وہ ہے "شرم و حیاء"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حیا و ایمان دونوں ساتھی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک اگر ختم ہو جائے تو دوسری چیز بھی ضرور ختم ہو جائے گی۔

(الترغیب و الترہیب)

حیاء جنت میں داخلے کا سبب ہے اور بے حیائی انسان کو جہنم تک پہنچا دیتی ہے۔ حیاء ایسی صفت ہے جس میں انسان کے لئے بلکہ پورے معاشرے کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے، حیاء ایمان کا لازمی جزو ہے۔ مسلمان کو اس کی زیادہ سے زیادہ پاسداری اور حفاظت کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالإِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ﴾

(سورۃ الاعراف ۔۳۳)

آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ یقیناً میرے رب نے حرام کیا ان تمام فحش باتوں کو جو اعلانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں، اور ہر گناہ کی بات کو، اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو۔

ہر قسم کی برائی سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا پاک دامنی یا عفت کہلاتا ہے۔ اس سے حیاء پیدا ہوتی ہے اور حیاء کا اثر ہر اچھی عادت و خصلت پر پڑتا ہے۔ پاک دامنی جھوٹ، بخل اور بدکرداری سے انسان کی حفاظت کرتی ہے۔ پاک دامن انسان کا کردار بلند ہوتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَلَا یُبْدِینَ زِینَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ﴾

(سورۃ النور ۔ ۳۱)

عورتیں اپنی زینت کا اظہار نہ کریں سوائے اس زینت کے جو
خود بخود ظاہر ہو جائے۔

جو زینت بغیر ظاہر کئے ظاہر ہو جائے اس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔ اس لئے کہ اسلام دین فطرت ہے اور بندوں کے ساتھ سختی کے بجائے آسانی چاہتا ہے۔

حضرت ابوسلیمان دارانیؒ حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے! " تو نے مجھ سے حیاء کی ہے تو (جب تک تو حیاء کرتا رہے گا) میں لوگوں کے ذہنوں سے تیرے گناہ بھلا دوں گا، زمین پر تمہارے گناہ بھلا دوں گا، لوح محفوظ پر تمہاری لغزشیں مٹا دوں گا اور قیامت کے دن حساب کتاب لیتے وقت تم سے نرمی کا معاملہ کروں گا۔

حیاء کی اقسام:

۱۔ حیاء الجنایہ: (قصور پر حیاء کرنا) یہ حیاء وہ ہے جسے حضرت آدم علیہ السلام نے کیا تھا۔ جب ان سے کہا گیا تھا: کیا ہم سے بھاگنے کی کوشش میں ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا نہیں! میں تو (یا اللہ) تجھ سے حیاء کر رہا ہوں۔

۲۔ حیاء تقصیر: (کوتاہی پر حیاء کرنا) جیسے فرشتوں کا یہ کہنا کہ

'' مَا عَبَدْ نَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ '' یعنی اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے، ہم ویسی عبادت نہیں کر رہے جیسی عبادت کے تو لائق ہے۔

۳۔ حیاء اجلال: (تعظیم کی حیاء) جیسے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے کی تھی کہ انہوں نے حیاء الٰہی کی وجہ سے اپنا پر اوپر کر لیا تھا۔

۴۔ حیاء کرم: (مہربانی کی وجہ سے حیاء کرنا) جیسے رسول اللہ ﷺ کسی سے یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا! '' وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ '' (باتوں میں مگن نہ ہوا کرو)

۵۔ حیاء حشمت: (احترام کی حیاء) جیسے حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے مسئلہ مذی پوچھنے کے لئے حضرت مقداد بن اسود ؓ کو حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجا کیونکہ ان کو حضرت فاطمہ الزہراء ؓ کا مقام و مرتبہ پیش نظر تھا۔

۶۔ حیاء الاستحقار: (اپنے آپ کو حقیر جان کر کرنا) جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ اے اللہ! مجھے کوئی دنیوی ضرورت پیش آتی ہے تو تجھ سے مانگتے وقت حیاء محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! موسیٰ آٹے کے لئے

نمک اور اپنی بکری کے لئے چارا تک مجھ سے مانگ لیا کرو۔

۷۔ حیاء انعام: (عطاء نعمت کے وقت) یہ حیاء اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا اور یہ اس وقت ہوگی جب اس کا بندہ پل صراط سے گزر جائے گا تو اسے مہر شدہ ایک رجسٹر دے گا جس پر لکھا ہوگا " میرے بندے! تو نے یہ کام کیا، تو نے یہ کام کیا، میں نہیں چاہتا کہ سب کچھ ظاہر کروں۔ مجھے حیاء آرہی ہے اب تم چلے جاؤ کیونکہ میں نے تمہیں سب کچھ بخش دیا۔

حضرت استاذ ابو علی دقاق ؒ اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کتنی پاکیزہ ذات ہے اس باری تعالیٰ کی کہ گناہ تو بندے نے کئے لیکن حیاء وہ فرما رہے ہیں۔ (رسالہ قشیریہ ص ۲۷۳)

نرمی وشفقت اور اعتدال

افراط و تفریط، انتہاپسندی، غلو، شدت ایسی صفات وخصوصیات ہیں جن کو کبھی مفید اور پسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ شدت پسندی کے نتائج اور اثرات کبھی اچھے نہیں نکلے۔۔ اس کے برعکس ہر معاملہ میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کو قابل تعریف قرار دیا گیا ہے اور اس کے نتائج بھی مفید اور خوش گوار نکلتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس کام میں نرمی برتی جائے گی اس میں خیر وخوبی اور خوبصورتی پیدا ہو جائے گی، جبکہ جس کام میں سختی برتی جائے گی وہ بدنما اور عیب دار ہو جائے گا۔ ایک دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ نرم ہیں اور نرمی کو پسند فرماتے ہیں اور نرمی برتنے پر ایسی چیزیں عطا فرماتے ہیں جو سختی برتنے پر نہیں عطا کی جاتی ہیں۔ (صحیح مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! بے شک اللہ تعالیٰ نرم (مہربان) ہے اور ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح المسلم ۔ کتاب البر والصلۃ)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے اور اسے اللہ کا پیغام پہنچانے کا حکم دیا گیا تو اس

موقع پر ان دونوں حضرات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تاکید کی گئی کہ اس ظالم و جابر، متکبر اور سرکش انسان جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں خدائی کا دعویٰ کرنے والے کے سامنے بھی نرم گفتگو کریں۔

جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔

اذْهَبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى O فَقُولَا لَهُ
قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى O

(سورۃ طہٰ: ۴۴ ـ ۴۳)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، اس نے تو بڑی سرکشی کی ہے، اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

زندگی کے کسی بھی شعبہ میں یا کسی بھی معاملہ میں جب نرمی اور خوش اخلاقی کا رویہ اختیار کیا جائے گا تو وہ معاملہ خیر و عافیت اور خوش اسلوبی کے ساتھ طے پا جائے گا۔ اس کے برعکس سختی کی صورت میں وہاں فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے گا جس کی وجہ سے مزید الجھنیں اور پیچیدگیاں ہو جائیں گی۔

لفظ " اعتدال " درحقیقت " عدل " سے ماخوذ ہے جس کے معنی برابری کے ہیں۔ اعتدال کے معنی ہی یہی ہوئے کہ ہر معاملہ میں افراط و تفریط، کمی و بیشی، نرمی اور سختی، تیزی اور سستی وغیرہ میں درمیانہ راستہ اختیار کیا جائے۔

اسی وجہ سے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا!

﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾

(سورۃ البقرہ ۔ ۱۴۳)

اس طرح ہم نے تمہیں اعتدال والی امت بنایا

اسی لئے دین اسلام میں زندگی کے ہر شعبے میں " اعتدال " یعنی میانہ روی کی تاکید وتلقین کی گئی ہے خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے ہو یا معاملات سے ہو۔

مسلمان بھائی کے عیب چھپانے کا حکم

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو بندہ دنیا میں کسی بندے کی ستر پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (صحیح مسلم)

شجاعت

اپنی عزت و آبرو کی حفاظت، اخلاق حسنہ کی کوشش، جان و مال سے دوسروں کی مدد کرنا اور غیظ وغضب سے دور رہنا ''شجاعت'' کہلاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! پہلوان وہ نہیں جو دوسروں کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو اپنے غصہ پر قابو رکھے۔ (امام مسلمؒ)

جب غزوۂ حنین کا واقعہ پیش آیا تو دشمنوں نے پہاڑوں کے دروں سے تیروں کی بارش کر دی۔ مسلمانوں کا بارہ ہزار کا لشکر جنگ کے میدان سے پیچھے ہٹ رہا تھا۔ لیکن آپ ﷺ اپنے خچر پر سوار تھے اور اپنے سواری آگے بڑھا رہے تھے۔ حضرت ابوسفیانؓ نے رکاب پکڑی ہوئی تھی، حضرت عباسؓ لگام تھامے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے!

انا النبی لا کذب . انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

یہ آپ ﷺ کی شجاعت کا اعلیٰ مقام تھا ورنہ اس وقت بڑے بڑے صحابہ ہمت ہارتے ہوئے نظر آرہے تھے پھر سفید خچر کا انتخاب آپ ﷺ کی شجاعت اور مردانگی کی دلیل ہے ورنہ گھمسان کی جنگ میں رنگ دار جانور کا انتخاب کیا جاتا ہے کہ گرد وغبار کے درمیان رنگ دار جانور مشکل سے نشانے پر آتا ہے۔ اسی لئے آجکل بھی فوجیوں کی وردیاں خاکی رکھی جاتی ہیں۔ جبکہ سفید جانور دور سے ہی نظر

آتا ہے۔

ایک دفعہ رات کے وقت مدینہ منورہ میں شور سا ہو گیا جیسے راتوں رات کسی گروہ نے مدینہ پر حملہ کر دیا ہو۔ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے اور شور کی طرف ہتھیاروں سمیت جانے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے پر تلوار لٹکائے ہوئے شور کی طرف سے واپس آ رہے ہیں اور لوگوں کو دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ ڈرو نہیں کچھ نہیں ہے۔

قوم کا سردار قوم کا نگہبان ہوتا ہے۔ آپ ﷺ اس کی عملی مثال تھے۔ اور خلفاء راشدین سنت رسول کا نمونہ تھے۔

شجاعت کی اقسام:

شجاعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں اور دونوں کے لئے الگ الگ ہنر، صلاحیت اور حوصلہ چاہیئے ہوتا ہے۔ ایک پہلوانوں کی شجاعت ہوتی ہے اور دوسری حکام اور سپہ سالار کی شجاعت۔

پہلوانوں کی شجاعت یہ ہوتی ہے کہ دو بدو لڑائی (مبارزت) میں دل کی مضبوطی اور مدِ مقابل پر گرفت اور غلبہ کی قوت ہو۔ اور سرداروں کی شجاعت یہ ہے کہ عدالت اور عقلمندی، صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت، فوج کو استعمال کرنے کا ہنر، موجود وسائل کے ساتھ دشمن کو شکست دینے اور ملکوں کو فتح کرنے کی صلاحیت اور حوصلہ ہو۔ سردار کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ جنگ کرنے اور صلح کرنے میں کس

وقت جلدی کرنی چاہئے اور کس وقت دیر کرنی چاہئے۔ اپنی فوج کی صلاحیتوں کے بارے میں پوری معلومات ہونی چاہئے تا کہ ان کی صلاحیتوں کو مدِ نظر رکھ کر ان کو بہتر طریقہ سے استعمال کیا جاسکے۔

عدل

افراط اور تفریط کے درمیانی راستے کو عدل کہتے ہیں۔ یعنی خرچ کرنے کا طریقہ ایسا ہو جو بخل و کنجوسی اور اسراف کے درمیان ہو۔ حلم و بردباری ایسی ہو جو غرور و تکبر اور بے غیرتی کے درمیان ہو۔ شرم وحیا اور غیرت اور عزت ایسی ہو جو بے حیائی، بے شرمی اور ذلت واہانت کے درمیان ہو۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو عدل کی تعلیم دی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَلاَ يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُواْ اعْدِلُواْ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ﴾

(سورۃ المائدہ ۔ ۸)

کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل کے خلاف کام پر آمادہ نہ کردے،
عدل کیا کرو جو پرہیزگاروں کے قریب ہے

عدل و انصاف کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ معاشرے میں اگر ہر فرد کو اس کا جائز حق اور ان کی محنت کا صلہ و معاوضہ ملتا رہے تو خیر و عافیت، امن و امان، سکون اور اطمینان کی فضا قائم رہتی ہے۔ اگر انسان کو اس کے جائز حق سے محروم رکھا جائے اور اس کو اس کے کام کا صلہ نہ دیا جائے تو وہ احساس محرومی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں انتقامی جذبات بھڑکنے لگتے ہیں۔ اس کی تعمیری صلاحیتیں تخریبی سرگرمیوں میں بدل جاتی ہیں اور اس کے نتیجہ میں معاشرے میں تعمیری ترقی رک جاتی ہے اور معاشرہ زوال پزیر ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نظام کائنات کی بنیاد عدل پر رکھی ہے اور پھر اپنے بندوں کو تمام معاملات میں عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے کہ اس کائنات کی بقا اور انسانیت کی بہتری و ترقی، فلاح و بہبود کا تمام تر انحصار عدل و انصاف کو پورا کرنے میں ہے۔ اگر بندے آپس میں عدل و انصاف قائم رکھیں تو دنیا کا نظام بھی قائم و دائم رہے گا۔ جب کسی جگہ انصاف کے تقاضوں کی پامالی ہوتی ہے وہاں جلد یا بدیر تباہی ضرور آ کر رہتی ہے۔ جب دنیا میں ظلم و ستم، حق تلفی اور ناانصافی کا سلسلہ حد سے بڑھ جائے گا تو اس کائنات کا خاتمہ ہو جائے گا اور آخر کار قیامت قائم کر دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُونُواْ قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاء لِلّهِ وَلَوْ عَلَى أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِيْنَ ﴾

(سورۃ النساء ۔ ۱۳۵)

اے ایمان والو! عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور اللہ کی خوشنودی کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، چاہے وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ، یا عزیزوں رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عدل سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ انتقام کی آگ میں اتنے نہ جل جاؤ کہ عدل و انصاف کا دامن چھوڑ دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔

کوئی حکمران، یا سربراہ حکومت یا بادشاہ ہے تو اس کے لئے عدل و انصاف کے تقاضوں کی پاسداری لازمی ہے۔ عادل بادشاہ کے لئے تو رسول اللہ ﷺ نے بہت بڑی خوشخبری سنائی ہے۔ سات قسم کے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز خاص سائے میں ہوں گے جبکہ اس روز کہیں سایہ نہیں ہوگا۔ ان میں ایک انصاف کرنے والا حکمران بھی ہوگا۔

عفو و درگزر

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ O

(سورۃ الاعراف ۔ ۱۹۹)

آپ ان سے درگزر کرتے رہیئے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ O

(سورۃ الحجر ۔ ۸۵)

آپ ان سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُوْلِىْ الْقُرْبَى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيْمٌ O

(سورۃ النور ۔ ۲۲)

اور تم میں جو بزرگی اور وسعت والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہیئے بلکہ معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کردے

اور اللہ بخشنے والا نہایت مہربان ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ○

(سورۃ الشوریٰ ۔ ۴۳)

اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

حضور اکرم ﷺ دعا فرماتے تھے!

اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی

(صحیح البخاری)

اے باری تعالیٰ! تو عفو ہے اور عفو و درگزر کو پسند کرتا ہے،

اس لئے تو مجھے معاف کر دے

ہم اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے اس کی صفت عفو کے واسطے سے اپنے لئے عفو و درگزر طلب کرتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے اندر لوگوں کو معاف کرنے کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔ جب ہم لوگوں کے قصوروں کو معاف کریں گے اور عفو و درگزر سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ عفو و درگزر سے کام لے گا۔ اگر کسی پر کسی نے ظلم کیا ہو اور اس کو بدلہ لینے کا موقع ملا ہو تو اسلام اس کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جس حد تک اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اس کا بدلہ لے لے لیکن اسلام اس بات کی بھی تلقین کرتا ہے کہ اگر وہ اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس

کو اس کا بہت بڑا انعام دیتا ہے۔ بعض اوقات انسان اس انعام کو دنیا میں بھی دیکھ لیتا ہے اور اگر اسے دنیا میں نہیں نظر آیا تو آخرت میں تو ضرور اس کے لئے ذخیرہ ہو گا۔

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کی چادر پکڑ کر جھٹکا دیا، چادر کا کنارہ آپ ﷺ کی گردن میں پھنس گیا اور اس سے نشان پڑ گیا۔ اس سخت رویہ کے بعد وہ اعرابی اپنا مدعا پیش کرتا ہے۔ میں دو اونٹ لایا ہوں اس پر سامان لا دو، اس لئے کہ جو مال و دولت تمہارے پاس ہے وہ نہ تمہارا ہے اور نہ تمہارے باپ کا۔

آپ ﷺ نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی اور پھر فرمایا! مال اللہ کا ہے اور میں اس کا بندہ ہوں۔ پھر پوچھا کہ تم نے جو حرکت میرے ساتھ کی ہے تم اس سے ڈرتے نہیں ہو۔ اعرابی نے کہا! نہیں! آپ ﷺ نے پوچھا! کیوں؟ اس اعرابی نے کہا! مجھے معلوم ہے کہ آپ (ﷺ) برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے۔ آپ ﷺ مسکرانے لگے اور اس کو ایک اونٹ کھجور اور ایک اونٹ جُو دینے کا حکم دے دیا۔ (صحیح البخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی عورت اور کسی خادم کو نہیں مارا سوائے اس کے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ ایسا بھی نہیں ہوا کہ آپ کو کسی کی طرف سے تکلیف پہنچی اور آپ ﷺ نے اس کا بدلہ لیا ہو۔ ہاں مگر اللہ کی محترم چیزوں میں سے کسی کی توہین کی گئی تو پھر

اللہ کے لئے انتقام لیتے تھے۔ (صحیح بخاری ۔ کتاب الحدود)

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کی ناک کان اور کلیجہ تک چبانے والے موجود تھے، آپ ﷺ پر پتھر برسانے والے، راستے میں کانٹے بچھانے والے، قتل کی سازشیں کرنے والے سب موجود تھے۔ آپ ﷺ سے چھپنے کی ناکام کوشش کررہے تھے، ندامت سے سر جھکائے اپنے متعلق فیصلے کا انتظار کررہے تھے۔ انتقام سے بچنے کے لئے کوئی مکہ سے فرار کا سوچ رہا تھا اور کوئی اپنے دل پر ہاتھ رکھے آپ ﷺ کے حکم کا انتظار کررہا تھا۔ آپ ﷺ اس وقت اس پوزیشن میں تھے کہ جس سے چاہتے بدلہ لے سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے جرأت مندانہ اعلان کردیا کہ

﴿ لاتثریب علیکم الیوم و انتم الطلقاء ﴾ (صحیح البخاری)

آج کے دن تم سب آزاد ہو تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی

آپ ﷺ کی ذات اقدس سے یہی امید کی جاسکتی تھی جو ہستی نبوت سے پہلے بھی اس قوم کی امین تھی۔

عفو و درگزر مؤمن کی خاص صفت اور نشانی ہے۔ قرآن و حدیث میں بے شمار جگہ اس کی تلقین و تاکید فرمائی گئی ہے اور اس صفت کے حامل لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سنگدلی اور سخت مزاجی کی مذمت کی گئی ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس انسان کے دل میں خوف خدا ہوگا اس کے اندر رحمدلی ہوگی۔

اگر ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مسلمانوں کو جب بھی کسی دشمن پر فتح نصیب ہوتی تھی تو وہ ان کے ساتھ فراخدلی اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں مسلمانوں کے ساتھ کفار کے مظالم اور بدسلوکیاں اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو وہ بڑے بڑے بدبخت آپ ﷺ کے سامنے مجبور بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تو ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے لیکن آپ ﷺ نے عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے ان سب کو معاف کردیا اور تاریخ میں ایک بہترین مثال قائم کردی۔

مومن جس اللہ پر ایمان رکھتا ہے وہ رحیم و کریم ہے، جس نبی (ﷺ) پر ایمان ہے ان سے ہر مومن یہ تمنا کرتا ہے روز قیامت میری شفاعت کردیں، جس قرآن پر ایمان رکھتا ہے اور اسے سینے سے لگا کر رکھتا ہے وہ سراسر رحمت ہے۔ جس جنت میں داخلے کی اآرزو رکھتا ہے وہ بھی رحمت ہے اور ان سب کے باوجود بھی دل رحمت اور ہمدردی سے خالی ہو، یہ کیسے ممکن ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کو انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جسے اس کی قوم نے مار مار کر لہولہان کردیا تھا اور وہ نبی اپنے چہرے سے خون صاف کرتے تھے اور فرماتے تھے! اے اللہ میری قوم سے درگزر فرما کیونکہ یہ میرے مقام کو جانتے نہیں ہیں۔ (صحیح البخاری ۔کتاب الانبیاء)

ایثار اور ہمدردی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُوا الدَّارَ وَالْإِیْمَانَ مِن قَبْلِهِمْ یُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُونَ فِیْ صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَیُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن یُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ O

(سورۃ الحشر ـ ۹)

اور (وہ مال) ان کے لئے بھی ہے جنہوں نے اس گھر (مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنائی جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں پاتے اور ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، اگر چہ خود ان کو شدید ضرورت ہو اور جس نے اپنے نفس کو حرص سے بچالیا، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَیُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِیناً وَیَتِیماً وَأَسِیراً O

(سورۃ الدھر ـ ۸)

وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں بھوک سے نڈھال ہوں ۔ آپ ﷺ نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات کی طرف پیغام بھجا۔ انہوں نے جواب دیا! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ نے دوسری بیوی کی طرف پیغام بھیجا وہاں سے بھی پہلے کی طرح جواب آیا۔ حتیٰ کے تمام ازواجِ مطہرات نے یہ کہا کہ ہمارے پاس سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج کی رات کون اس کی مہمانی کرے گا؟ ایک انصاری صحابی نے کہا! یارسول اللہ ﷺ! میں۔ پس وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا! رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی عزت کرنا اور کہا کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ اس نے کہا صرف بچوں کا کھانا ہے۔ صحابی نے کہا کہ بچوں کو کسی طرح سے بہلا کر سلا دو۔ جب ہمارا مہمان گھر میں داخل ہو تو تم چراغ بجھا دینا اور یہ ظاہر کرنا کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ کھانے بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھایا اور دونوں نے بھوکے رات گزاری۔ جب صبح ہوئی اور وہ نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا! تم نے آج کی رات اپنے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوا ہے۔

(بخاری و مسلم)

امانت و دیانت

اس دنیا میں ہر انسان کی فطری طور پر یہی خواہش ہوتی ہے کہ اسے ایسا ماحول اور ایسا معاشرہ نصیب ہو جہاں امن و امان، سکون و اطمینان، محبت اور ہمدردی کی فضا ہوا۔ اسی لئے کسی بھی معاشرے میں اس مقصد کے حصول کے لئے " امانت و دیانت " بنیادی شرط ہوتی ہے۔ جس معاشرے میں امانت و دیانت ختم ہو جائے وہاں ہر طرح کا بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے، امن و امان، اطمینان و خوشحالی کے بجائے افراتفری، بے چینی، لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ گھریلو تعلقات ہوں چاہے کاروباری معاملات ہوں ہر جگہ خرابی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں اور یوں امعاشرہ تباہی اور بربادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام میں " امانت و دیانت " کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اس کی جا بجا تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعاً بَصِيراً O

(سورۃ النساء ۔ ۵۸)

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کرو

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے کرو،
بے شک اللہ تمہیں اچھی نصیحت کرتا ہے، بلا شبہ اللہ خوب سنتا اور دیکھتا ہے۔
ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ ○

(سورۃ المومنون ۔ ۸)

جو اپنی امانتوں اور وعدوں کی حفاظت کرتے ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس میں امانت نہیں اس میں ایمان نہیں اور جو کوئی وعدے کا پابند نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ (مسند احمد)

ایک دوسری حدیث میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا تو وعدہ خلافی کرے گا اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے گا۔ (صحیح بخاری)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ (صحیح البخاری)

ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ تمہیں حاصل ہو جائیں تو پھر اور کچھ اگر تمہیں نہ بھی ملے تو غم کی کوئی بات نہیں۔ امانت داری، راست گوئی، خوش اخلاقی اور رزقِ حلال۔ (مسند احمد)

سخاوت و خیرات

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قُلْ إِنَّ رَبِّی یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن یَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَیَقْدِرُ لَهُ
وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهُ وَهُوَ خَیْرُ الرَّازِقِینَ O

(سورۃ سبا ۔ ۳۹)

آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو وہ اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَیْرٍ فَلأنفُسِكُمْ وَمَا تُنفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاء
وَجْهِ اللّهِ وَمَا تُنفِقُواْ مِنْ خَیْرٍ یُوَفَّ إِلَیْكُمْ وَأَنتُمْ لاَ تُظْلَمُونَ O

(سورۃ البقرہ ۔ ۲۷۲)

اور تم جو کچھ خیرات کرتے ہو اور تم صرف اللہ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہو اور تم جو کچھ خیرات کرو گے وہ تمہیں پوری پوری ملے گی اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! ہر دن صبح کے وقت آسمان سے دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا

ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے (کسی کی ضرورت کے وقت بھی مال کو) روکے رکھنے والے کو ہلاک کر دے۔

(صحیح بخاری ۔ کتاب الزکوٰۃ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کی کون سی خصلت بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو خواہ کسی کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔

(صحیح بخاری و مسلم ۔ کتاب الایمان)

حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! صرف دو آدمیوں پر رشک کرنا جائز ہے۔ ایک وہ آدمی جس کو اللہ نے مال دیا اور پھر اسے حق کی راہ میں خرچ کی ہمت اور توفیق بھی دی اور دوسرا وہ اادمی جس کو اللہ نے علم و حکمت سے نوازا پس وہ اسی کے ساتھ ہی فیصلہ کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت عدی بن حاتم ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ساتھ ہو۔ (بخاری و مسلم)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ ﷺ نے جواب میں ’’نہیں‘‘ فرمایا ہو۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اے ابن آدم! اگر تو زائداز ضرورت مال خرچ کردے گا تو یہ تیرے لئے بہتر ہے، اور اگر تو اسے روک لے گا تو یہ تیرے لئے برا ہے۔ اور برابر سرابر روزی پر ملامت نہیں کی جائے گی اور ابتداء اپنے اہل وعیال کے ساتھ کر، اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! صدقہ نے کبھی مال نہیں گھٹایا اور عفو ودرگزر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو ضرور اونچا کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عمرو بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں اسے یاد رکھو۔ کسی بندے کا مال صدقہ کرنے سے کم نہیں ہوتا، جس پر ظلم کیا گیا اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور جو شخص مانگنے کا دروازہ کھولتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر اور محتاجی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور ایک بات میں تمہیں بتاتا ہوں پس اسے یاد رکھو! دنیا میں چار قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ بندہ جسے اللہ نے مال وعلم عطا کیا اور پھر وہ اس کے بارے میں اللہ سے ڈرتا ہے اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے اور ان میں جو اللہ کا حق ہے اسے پہچانتا (اور ادا کرتا) ہے یہ شخص جنت کے

سب سے افضل درجہ میں ہوگا۔ دوسرا وہ بندے جسے اللہ نے علم تو دیا لیکن مال نہیں دیا۔ پس وہ سچی نیت رکھتا ہے اور کہتا ہے اگر میرے پاس مال ہوتا تو یقیناً میں بھی فلاں آدمی کی طرح خرچ کرتا۔ پس جب اس کی نیت یہ ہے تو اس کا اور پہلے شخص کا اجر برابر ہے۔ تیسرا وہ بندہ ہے جسے اللہ نے مال دیا لیکن علم نہیں دیا پس وہ بغیر علم کے اندھا دھند خرچ کرتا ہے اور اس کے بارے میں نہ اپنے رب سے ڈرتا ہے اور نہ اس میں جو رشتہ داروں کے حقوق ہیں وہ ادا کرتا ہے۔ اور نہ اس میں اللہ کا کوئی حق پہچانتا ہے وہ سب سے بدتر مرتبہ والا ہے۔ چوتھا وہ بندہ ہے جسے اللہ نے مال دیا نہ علم لیکن وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو فلاں آدمی کی طرح عمل (اندھا دھند خرچ) کرتا۔ پس جب اس کی نیت یہ ہے تو یہ دونوں کا گناہ برابر ہے۔

(جامع ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص پاکیزہ (حلال) کمائی سے ایک کھجور کے برابر بھی صدقہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ صدقہ ہی پاکیزہ کمائی کا قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور پھر اسے صدقہ دینے والے کے لئے بڑھاتا ہے جیسے تم میں سے ایک شخص اپنے بچھڑے کو پالتا اور بڑھاتا ہے یہاں تک کہ وہ (کھجور کا صدقہ) پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

اسلامی معاشرے کی صفات

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھی ہے کہ وہ مل جل کر رہتا ہے اور اسلام دین فطرت ہے۔ اس لئے انسانی معاشرت اور اس کے بارے میں حقوق وفرائض یا معاشرتی آداب واخلاق کا بھی ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسلام کیونکہ آسمانی اور فطری دین ہے اس لئے اسلامی تعلیمات میں معاشرتی آداب کی تعلیم پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اس کے اصول ونظریات کی بنیاد کسی انسانی خیالات وافکار پر نہیں ہے بلکہ یہ تعلیمات انسان کے رب اور اس کے خالق و مالک کی طرف سے نازل کردہ احکامات اور ارشادات پر ہیں۔ قادر مطلق انسان کے نفع ونقصان کو خود انسان سے بہتر جانتا ہے۔ کیونکہ وہ خالق ہے اور انسان مخلوق ہے اور خالق کا علم کامل ہوتا ہے اور مخلوق کا علم ناقص ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ومشیت سے انسان کو پیدا کیا ہے تو یقیناً انسان کے مفید وضرر کے بارے میں بھی اسے مکمل اور یقینی علم ہے وہ علیم ہے خبیر ہے سب کچھ دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ یہ بات انسان کی عقل تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ اسلام کی معاشرتی تعلیمات ہی انسانی معاشرے کی اصلاح اور فلاح کی ضامن ہے۔ اس کی ترقی اور بہتری کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اس کی سلامتی، اس کی بقا کے لئے مضبوط و مستحکم بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد ایمان وعقیدہ پر رکھی گئی ہے۔

بدعات کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَلاَ تَتَّبِعُواْ أَهْوَاء قَوْمٍ قَدْ ضَلُّواْ مِن قَبْلُ وَأَضَلُّواْ كَثِيراً وَضَلُّواْ عَن سَوَاء السَّبِيلِ O

(سورۃ المائدہ ۔ ۷۷)

نہ اس قوم کی خواہش پر چلو جو اس سے پہلے خود گمراہ ہو چکی ہے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکی ہے اور سیدھے راستے سے بہک چکی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالاً O الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعاً O

(سورۃ الکہف: ۱۰۴ ۔ ۱۰۳)

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے کو لوگ خسارے میں ہیں۔

یہ وہ لوگ جن کی دنیوی زندگی میں کی کرائی محنت سب ضائع ہو گئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

فَذَلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ O

(سورۃ یونس ۔ ۳۲)

پس اللہ ہی تو تمہارا حقیقی رب ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے، تم کہاں لوٹے جا رہے ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَأَنَّ هَـذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً فَاتَّبِعُوهُ وَلاَ تَتَّبِعُواْ السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ O

(سورۃ الانعام ۔ ۱۵۳)

اور یہ کہ تم میرے اس سیدھے راستے کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے، یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تا کہ تم متقی بنو۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں تھی تو وہ مردود ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو آپ ﷺ کی آنکھیں سرخ اور آواز بلند ہو جاتی تھی اور آپ کا غضب

شدید ہو جاتا تھا، حتیٰ کے ایسے ہو جاتے گویا آپ (دشمن کے) کسی لشکر سے ڈرانے والے ہیں۔ آپ فرماتے کہ وہ تم پر صبح یا شام کو حملہ کرنے والا ہے اور فرماتے کہ میں اور قیامت ایسے مبعوث کئے گئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں ہیں اور آپ اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی دونوں کو ملا لیتے اور فرماتے!

امابعد یقیناً بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین راستہ محمد (ﷺ) کا راستہ ہے اور بدترین کام (دین میں) نئے پیدا کردہ کام ہیں اور ہر نیا کام (بدعت) گمراہی ہے۔ پھر فرماتے! میں ہر مومن پر اس کی جان سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں، جو شخص مال چھوڑ جائے تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے جو قرض یا محتاج اہل وعیال چھوڑ کر مر جائے تو (قرض کی ادائیگی) میری ذمہ داری ہے اور اس کے (بچوں کی نگرانی کا فریضہ) مجھ پر ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! آخری زمانے میں ایسے فریب دینے والے جھوٹے ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جنہیں نہ تم نے سنا ہوگا اور نہ تمہارے باپ دادا نے سنا ہوگا۔ لہٰذا ان سے بچو اور ان کو اپنے آپ سے بچاؤ تا کہ وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

(صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف)

امام مسلمؒ عبداللہ بن مسعودؓ سے آنحضرت ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! مجھ سے پہلے کسی قوم میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی نبی مبعوث

نہیں کیا جس کے مددگار اور دوست اسی قوم سے نہ ہوں۔ جو نبی کے طریقے کو اختیار کرتے اور اس کے احکام کی پیروی کرتے پھر ان کے بعد ایسے ناخلف (نالائق) پیدا ہوتے جو لوگوں سے تو کہتے لیکن خود اس پر عمل نہیں کرتے اور وہ کام کرتے جن کا انہیں حکم نہیں ملا لہٰذا (تم میں سے) جو شخص ان لوگوں سے اپنے ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو شخص ان لوگوں سے اپنے دل سے جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے علاوہ (جو شخص ان کے خلاف اتنا بھی نہ کر سکے) اس میں رائی کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم، مشکوٰۃ شریف)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا! تم بھی نئے نئے کام نکالو گے اور لوگ تمہارے لئے نئی نئی صورتیں عبادت کی نکالیں گے۔ خوب سمجھ لو کہ ہر نیا طریقہ گمراہی ہے اور گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔

حضرت بلال بن حارث مزنیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس شخص نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ اس سنت پر عمل کرنے والے کو ملے گا بغیر اس کے کہ اس کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے اور جس نے گمراہی کہ ایسی کوئی نئی بات (بدعت) نکالی جس سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوش نہیں ہوتا تو اس کا اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس بدعت پر عمل کرنے والے کو گناہ ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ شریف)

امام احمد بن حنبل ؒ نے حضرت عضیض بن حارث ثمالی ؓ سے نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا! جب کوئی قوم دین میں نئی بدعت نکالتی ہے تو اس کی مثل ایک سنت اٹھالی جاتی ہے لہٰذا سنت کو مضبوط پکڑنا نئی بات نکالنے (بدعت) سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

اسی طرح کی ایک حدیث حضرت حسان بن ثابت ؓ سے بھی مروی ہے۔

طبرانی نے حضرت انس بن مالک ؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کردیا ہے۔

(مجمع الزوائد)

امام بخاری ؒ اور امام مسلم ؒ حضرت سہل بن سعد ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو شخص ایک بار پی لے گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ کچھ لوگ وہاں میرے پاس آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کردی جائے گی۔ میں کہوں گا کہ یہ میری امت کے لوگ ہیں۔ پس مجھ سے کہا جائے گا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ انہوں نے آپ (ﷺ) کے بعد کیا کیا نئی بدعات گھڑیں تھیں۔ یہ جواب سن کر میں کہوں گا پھٹکار، پھٹکار ہو ان لوگوں کے لئے جنہوں نے میرے بعد میرا دین بدل دیا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ)

بدعت ایک سنگین جرم ہے اور بہت بڑا دھوکہ ہے کہ بدعتی اپنے خود ساختہ عمل کو دین بنا کر پیش کرتا ہے، جیسا کہ کوئی شخص جعلی کرنسی لے کر مارکیٹ میں پہنچ جائے اور جعلی کرنسی کے عوض کچھ خریدنا چاہے۔ جب یہ جعلی کرنسی والا کسی عقلمند و ہوشیار دوکاندار کے سامنے اپنی کرنسی نکالے گا تو بجائے کچھ ملنے کے جیل جائے گا اور پولیس کی مار کھائے گا۔ یہی حالت آخرت کے بازار میں بدعتیوں کی ہوگی یہ اپنے خود ساختہ طریقوں کو ثواب اور نجات کا ذریعہ سمجھ کر کرتے ہیں اور بدعت نہ کرنے والوں کو بے دین سمجھتے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ اپنے اعمال سمیت قیامت کے دن آنحضرت ﷺ کے سامنے آئیں گے تو انہیں پھر ان بدعات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ کیونکہ وہاں صرف اور صرف محمد ﷺ کا سکہ چلے گا اور جن لوگوں نے بدعتوں کی کرنسی کے انبار لگا رکھے ہیں وہاں ان کی قیمت ایک کوڑی بھی نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ اپنے اس کام پر سزا کے مستحق ہوں گے۔

(بدعت اور بدعتی: ص۲۷)

مساوات

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ یَا أَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِیْراً وَنِسَاء ﴾

(سورۃ النساء ۔ ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی جان سے اور اسی سے اس کے جوڑ کو پیدا کیا اور ان دونوں سے پھیلا دیا بہت سے مردوں اور عورتوں کو۔

اس آیت میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے ساتھ یہ بھی تلقین اور تاکید کی گئی کہ تمام انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام سے پیدا کیئے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے تمام انسان برابر ہیں، رنگ و نسل، حسب و نسب، مال و دولت، حاکم و محکوم، حسن و جمال، زبان، قوم، قبیلہ، برادری و ذات یا علاقوں کی بنیاد پر انسانوں میں امتیاز، تفریق اور تقسیم کی ہر گز اجازت نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں پہچان کے لئے بنائی گئی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی طرف بلایا، وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بنیاد پر جھگڑا کیا

یا جنگ کی، وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے عصبیت کی بناء پر جان دی۔

(سنن ابوداوٗد)

ارشادنبوی ﷺ ہے کہ تمام انسان آدم (علیہ السلام) کی اولاد ہیں اور آدم (علیہ السلام) مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ (جامع ترمذی)

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو تاریخی خطبہ دیا وہ قیامت تک کے لئے تمام انسانیت کے لئے منشور اور دستورِ عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس خطبہ میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ اور تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے، خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت اور برتری حاصل نہیں ہے۔ ہاں! مگر تقویٰ کے ذریعہ۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تمام انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک نیک اور متقی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعزت اور محترم ہے اور دوسری فاجر و بدبخت جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر و ذلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ بھی موجود ہوتے تھے۔ ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی

جاتی تھی۔

بیت المقدس کی فتح کے موقع پر خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق ؓ مدینہ سے بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے تو اپنے غلام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا! دیکھو! اس ایک اونٹ پر ہم دونوں باری باری سوار ہوں گے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ بائیس لاکھ مربع میل پر پھیلی سلطنت کے خلیفہ کی مساوات کا یہ حال ہے کہ ایک اونٹ استعمال کر رہا ہے اور کبھی خلیفہ اونٹ پر سوار ہیں اور غلام پیدل چل رہا ہے اور کبھی غلام اونٹ پر سوار ہے اور خلیفۂ وقت پیدل چل رہے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے نامور اور عظیم الشان بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو دراصل غلام تھے یا غلاموں کے خاندان سے تھے۔ لیکن اس کے باوجود اسلام کی تعلیمِ مساوات کی وجہ سے حاکم بنے۔ مثلاً برصغیر میں خاندانِ غلاماں کو بڑی شہرت ملی جن میں خصوصاً قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن قابل ذکر ہیں۔ مصر میں ممالیکِ مصر بھی تاریخی شہرت رکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں بھائی چارا

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾

(سورۃ الحجرات ۔ ۱۰)

بے شک تمام مؤمن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴾

(سورۃ التوبہ ۔ ۷۱)

ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُوا ﴾

(سورۃ آل عمران ۔ ۱۰۳)

اور تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر آپس میں مل جل کر رہنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اس بات کی ترغیب دلائی جا رہی ہے کہ ایک دوسرے کے مددگار بنو، انتشار اور تفرقہ سے دور رہو۔ معاشرے میں ایک دوسرے کی مدد کا جذبہ کارفرما رہنا چاہئے۔ آپس کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو دور کر

کے امت کے اجتمائی نصب العین اور مقصد حیات کی طرف توجہ ہونی چاہیئے تا کہ ایک مضبوط اور باوقار ملت بن کر رہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے! باہمی محبت اور مہربانی اور ہمدردی کے لحاظ سے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے۔ جب جسم کے ایک عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کی وجہ سے تمام جسم بے خوابی اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہر مسلمان کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں اور اس کی مدد کرنے کی کوشش کریں، چاہے اس کے ساتھ ہمارا کوئی خونی رشتہ ہو یا نہ ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ کبھی اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی مشکل وقت میں اس کو تنہا چھوڑتا ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مومن بھائی کے لئے بھی اسی چیز کو پسند کرے جسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمان متحد تھے اس وقت وہ دنیا کے سب سے زیادہ باعزت اور کامیاب قوم تھے۔ محدود وسائل کے باوجود انہوں نے مشرق اور مغرب میں اسلام کا نام بلند کیا اور ہر طرف فتح ونصرت کے جھنڈے گاڑے اور ہر جگہ کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ لیکن اس کے بعد جب ان میں رفتہ رفتہ اتفاق و اتحاد اور اخلاص و ایثار کے بجائے انتشار و خودغرضی اور مصلحت پرستی کی خصلتیں پیدا

ہونے لگیں تو دیکھتے ہی دیکھتے وہ تمام عزت وعظمت ہاتھ سے چلی گئی۔ آج ہم مسلمان جس ذلت ورسوائی کے عذاب میں مبتلا ہیں اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے باہمی اتحاد واتفاق انتہائی ضروری ہے، یہی وقت کی پکار ہے، حالات کا تقاضا ہےاور ہماری دینی تعلیم بھی ہے۔

نیکی کے کاموں میں تعاون

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَتَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُواْ اللّهَ إِنَّ اللّهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ O

(سورۃ المائدہ ۔ ۲)

اور نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ (2) إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (3)

(سورۃ العصر: ۳ ـ ۱)

اور قسم ہے زمانے کی۔ بے شک انسان خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور باہم حق پر قائم رہنے کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

حضرت زید بن خالد جہنی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے اللہ کے راستے میں کسی جہاد کرنے والے کو جہاد کا سامان تیار کر کے دیا، بلاشبہ اس نے خود جہاد کیا اور جو کچھ جہاد کرنے والے کا، اس کے گھر میں بھلائی کے ساتھ اس کا جانشین (نگرانی اور خبر گیری کرنے والا) بنا، یقیناً اس نے بھی جہاد کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت تمیم داری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دین خیر خواہی کرنے کا نام ہے۔ ہم نے پوچھا کہ کس کی خیر خواہی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول (ﷺ) کی، مسلمانوں کے حکمرانوں کی اور عام مسلمانوں کی۔ (صحیح مسلم)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی وہ چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو شخص تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے (روکے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اسے دل سے برا جانے یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

(صحیح مسلم)

ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یقیناً تم پر عنقریب ایسے لوگ حکمران بنائے جائیں گے جن کے کچھ کاموں کو تم پسند کرو گے اور کچھ کو ناپسند۔ جس نے ان کے برے کاموں کو برا سمجھا وہ بری ہو گیا، جس نے انکار کیا وہ بچ گیا لیکن جو راضی ہوا اور ان کی پیروی کی تو وہ ہلاک ہو گیا۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم ایسے حکمرانوں سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! نہیں۔ جب تک وہ تمہارے اندر نماز کو قائم رکھیں۔ (صحیح مسلم)

حسن اخلاق

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

﴿ لَقَدُ كَانَ لَكُمُ فِىُ رَسُولِ اللّٰهِ أُسُوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾

(سورۃ الاحزاب ۔ ۲۱)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی ہستی بہترین نمونہ ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

الَّذِيُنَ يُنفِقُونَ فِىُ السَّرَّاء وَالضَّرَّاء وَالُكَاظِمِيُنَ الُغَيُظَ وَالُعَافِيُنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الُمُحُسِنِيُنَ O

(سورۃ آل عمران ۔ ۱۳۴)

جو فراخی اور تنگی کے وقت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو ضبط کرتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ہر مومن کے لئے یہ لازمی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو اپنے لئے " اسوۃ حسنہ " یعنی عمدہ نمونہ اور قابل تقلید مثال بنائے، اور آپ ﷺ کی تعلیمات، احکامات اور ہدایات کو سچے دل سے تسلیم کرے اور آپ ﷺ کے طور طریقے، اخلاق و عادات کو مخلصانہ طور پر اپنانے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ کی عادات و

اخلاق کو ایک عام فکر کرنے والا انسان بھی جان سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام زندگی انسانیت کے لئے ایسی بہترین نمونہ تھی جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے شفقت، بیماروں کی تیمارداری، پڑوسیوں اور قرابت داروں کے حقوق کا لحاظ، یتیموں، کمزوروں اور بیواؤں کی مدد، عہد کی پاسداری اور حق گوئی، عدل و ونصاف کی پاسداری، دشمنوں تک کے ساتھ رحمدلی اور عفو و درگزر سے کام لینا آپ ﷺ کی عادت تھی۔ یہی وہ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ " رحمۃ للعالمین " کہلائے۔

قرآن کریم نے آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی تعریف اس طرح بیان فرمائی!

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ O

(سورۃ القلم ۔ ۴)

بے شک آپ (ﷺ) تو بہت عمدہ اخلاق پر ہیں

ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنتَ لَهُمۡ وَلَوۡ کُنتَ فَظًّا غَلِیۡظَ الۡقَلۡبِ لَانفَضُّواۡ مِنۡ حَوۡلِکَ فَاعۡفُ عَنۡهُمۡ وَاسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ وَشَاوِرۡهُمۡ فِیۡ الۡأَمۡرِ ﴾

(سورۃ آل عمران ۔ ۱۵۹)

اللہ کی رحمت کے باعث آپ (ﷺ) ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ بدزبان اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ (ﷺ) کے پاس سے چھٹ جاتے، سو آپ (ﷺ) ان سے درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کیا کریں اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی ابتداء کے موقع پر جب غارِ حراء میں پہلی وحی نازل ہوئی تو اس منظر کو دیکھ کر اور جبرائیل علیہ السلام کو دیکھ کے آپ ﷺ بہت گھبرا گئے تھے آپ ﷺ کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ آپ اسی کیفیت میں گھر پہنچے اور اپنی رفیقہ حیات ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ کے سامنے تمام واقعہ بیان فرمایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ تو حضرت خدیجہ ؓ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا! اللہ کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز اس کام میں رسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں مہمان نواز ہیں، محتاجوں اور غریبوں کی مدد کرتے ہیں، اور راہ حق میں لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں۔
(صحیح بخاری)

اس پوری بات میں ام المومنین حضرت خدیجہ ؓ نے آپ (ﷺ) کے حسن اخلاق کا ذکر کیا۔ بعثت سے پہلے ہی آپ ﷺ کے اخلاق کی یہ بلندی اور عظمت تھی تو بعد میں تو اس میں چار چاند لگ گئے۔

اسی طرح سے اسلام کے ابتدائی دور سے ہی صحابہ کرام ؓ کو بھی ہمیشہ انہی اخلاقِ حمیدہ کو اپنانے کی تلقین وتاکید فرمائی۔ چنانچہ نجاشی بادشاہ حبشہ نے جب دین اسلام کے بارے میں پوچھا تو اس وقت وہاں موجود مسلمانوں کی جماعت میں سے حضرت جعفر طیار ؓ نے اس طرح فرمایا!

اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بتوں کی پرستش کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، ہمسائیوں کو تنگ کرتے تھے، ہم میں سے جو طاقت ور تھے وہ کمزوروں کو دبایا کرتے تھے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہی ایک ہستی کو نبی بنا کر بھیجا، جس کی شرافت، خاندانی نسب، امانت و دیانت، راست بازی سے ہم بخوبی واقف تھے۔ اس نے ہمیں اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے ان سے کنارا کشی کی تاکید کی۔ اس نے ہمیں سچ بولنا، امانت و دیانت، صلہ رحمی، ہمسائے کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کا حکم دیا۔ ہر قسم کی فحاشی اور بے حیائی سے بچنے، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال دبا لینے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے باز رہنے کی تلقین کی۔ (مسند احمدؒ)

یہ حسن اخلاق کی ایک جھلک ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اسلام کے ابتدائی دور میں تلقین فرمائی تھی۔ جس کی بدولت حق کی آواز کو لبیک کرنے والوں کی زندگیوں میں حیرت انگیز انقلاب آ گیا تھا۔ وہ دیکھتے ہی دیکھتے ذلت کی پستیوں

سے نکل کر عزت کی بلندیوں پر جا پہنچے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو اپنے ان پڑھ ہونے کی وجہ سے اپنی جہالت پر ناز کرتے تھے۔ وہ علم کی روشنی حاصل کر کے دنیا کے لئے مشعل راہ بن گئے۔ جن لوگوں کی دشمنیاں صدیوں یاد رکھی جاتی تھیں ان کی دوستی اور اخوت و محبت دنیا کے لئے مثال بن گئی۔ لوگوں کے مال اور اسباب لوٹنے والا معاشرہ ہمدردی اور ایثار کا نمونہ بن گیا۔ جن کی زندگی شراب نوشی، جوئے اور لہوولہب میں بسر ہوتی تھی اب ان کی راتیں اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود رہنے لگیں۔

چند احادیث جن میں حسن اخلاق کی تلقین فرمائی گئی ہے:

☆ اصل نیکی تو حسن اخلاق ہے۔ (صحیح مسلمؒ)

☆ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اخلاق عمدہ ہو۔ (صحیح بخاریؒ)

☆ تمام اہل ایمان میں سے کامل ایمان والا وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ (جامع ترمذی)

☆ قیامت کے دن مؤمن کے تمام اعمال میں " حسن اخلاق " سے بڑھ کر وزنی کوئی اور عمل نہیں ہوگا۔ (جامع ترمذی)

☆ مؤمن اپنے حسن اخلاق کی بدولت روزہ دار اور نمازی کے مقام و رتبے کو پالیتا ہے۔ (سنن ابوداؤد)

☆ قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کا اخلاق اچھا ہوگا۔ (جامع ترمذی)

☆ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا! وہ کون سا عمل ہے جو دیگر تمام اعمال سے بڑھ کر انسانوں کے لئے جنت میں داخلے کا سبب بنے گا۔
آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا خوف اور حسن اخلاق۔
(جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عام طور پر اور نہ ہی تکلف سے بدزبانی کرنے والے تھے اور آپ ﷺ فرماتے تھے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو تم میں اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔
(بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کون سا عمل انسانوں کے زیادہ جنت میں جانے کا سبب بنیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ کا ڈر اور حسن اخلاق۔ اور پوچھا گیا کہ کون سی چیز انسان کو زیادہ جہنم میں جانے کا سبب بنے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا! منہ اور شرم گاہ۔
(ترمذی)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا! مومن یقیناً اپنے حسن اخلاق سے وہ درجہ پا لیتا ہے جو ایک روزہ دار اور شب بیدار شخص کے حصہ میں آئے گا۔
(سنن ابوداؤد)

حضرت ابوامامہ باہلی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں اس شخص کے لئے جنت کے اطراف میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا چھوڑ دیا (یعنی اپنا حق چھوڑ دیا) ، اس شخص کے لئے بھی جنت کے درمیان میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس نے مزاح کے طور پر بھی جھوٹ کا ارتکاب نہیں کیا اور اس شخص کے لئے جنت کے بلند ترین حصہ میں ایک گھر کا ضامن ہوں جس کا اخلاق اچھا ہو۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ محبوب اور ہم نشینی کے اعتبار سے مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہوگا جو تم میں اخلاق میں سب سے زیادہ اچھا ہوگا اور تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور مجھ سے سب سے زیادہ دور قیامت کے روز وہ ہوں گے جو بہت باتونی، تصنع سے بات کرنے والے اور تکبر سے باچھیں کھول کھول کر گفتگو کرنے والے ہوں گے۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! باتونی اور تصنع سے بات کرنے والے کو تو ہم جان گئے لیکن یہ ''متفیھقون'' کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تکبر کرنے والے۔

(جامع ترمذی)

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس ؓ سے فرمایا! تمہارے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے۔ بردباری اور سوچ سمجھ کر کام کرنا۔ (صحیح مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے، نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو سختی پر اور اس کے علاوہ کسی چیز پر عطا نہیں فرماتا۔

(صحیح مسلم)

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! آسانی کرو سختی نہ کرو، خوشخبری دو اور نفرت مت پھیلاؤ۔

(بخاری و مسلم)

بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت

اسلام نے اخلاقیات میں ماں باپ، استاد، علماء اور بڑوں کا ادب اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آنے کی بڑی تاکید کی ہے اور ایسا کرنا بڑی سعادت مندی کی بات ہے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ

”باادب بانصیب بےادب بےنصیب“

جو شخص بڑوں کے ساتھ بے ادبی اور بدتمیزی کر رہا ہوتا ہے وہ درحقیقت چھوٹوں کو اس بات کی دعوت دے رہا ہوتا ہے کہ جب ان کا موقع ہو تو وہ بھی اس کے ساتھ اسی بے ادبی سے پیش آئیں۔ فرمایا کہ تم اپنے ماں باپ کا ادب کرو تمہاری اولاد تمہارا ادب کرے گی۔ تم سے کوئی اپنی خطاؤں کی معافی مانگے تو اسے معاف کر دیا کرو، اور جو نہ معاف کرے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے روزِ محشر اپنی خطاؤں سے معافی کا امیدوار نہ ہو۔ خاص طور پر والدین کو ”اُف“ کہنا بھی حرام ہے۔ اگر کسی نے اپنے ماں باپ کی نافرمانی کی اور ان کا انتقال ہو گیا ہو تو اب اس کی تلافی اس طرح سے ہو سکتی ہے کہ ان کے لئے کثرت سے ایصالِ ثواب کرے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے اچھے اخلاق والا وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہو۔

عہد کی پابندی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے! اے ایمان والو! عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ یعنی قیامت کے دن اس کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی کہ عہد پورا کیا تھا یا نہیں۔ عہد کا پورا نہ کرنا نفاق کی نشانی ہے۔

انسانی معاشرے میں روز مرہ کے ذاتی معاملات ہوں، تجارتی یا کاروباری لین دین ہو، کوئی سماجی مسئلہ یا قول وقرار ہو، خرید وفروخت کے عہد و پیمان ہوں، ان تمام معاملات میں آپس میں وعدوں اور معاہدوں پر انحصار کیا جاتا ہے۔ اگر ان تمام وعدوں اور معاہدوں پر پابندی سے عمل ہو رہا ہو تو معاشرتی نظام بخیر وخوبی سے چلتا رہتا ہے اور اگر معاہدوں کی خلاف ورزی اور وعدوں سے انحراف ہو و معاشرے کی بنیادیں ہلنے لگتی ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ معاشرے کے استحکام کے لئے عہد کی پابندی اور ایمانداری بنیادی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

الَّذِيْنَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلاَ يِنقُضُونَ الْمِيْثَاقَ O

(سورۃ الرعد ۔ ۲۰)

جو اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور قول وقرار کو توڑتے نہیں

جبکہ اس کے برعکس عہد شکنی یا وعدہ خلافی کو نفاق کی علامت اور فاسقوں کا شیوا بتایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَمَا وَجَدْنَا لأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ○

(سورۃ الاعراف ۔ ۱۰۲)

ان میں اکثر لوگوں میں ہم نے عہد کا پابند نہیں پایا اور ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُودِ ﴾

(سورۃ المائدہ ۔ ۱)

اے ایمان والو! عہد و پیماں پورے کیا کرو

وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً ○

(سورۃ بنی اسرائیل ۔ ۳۴)

اور پورے کرو وعدے کو، کیونکہ یقیناً وعدوں پر باز پرس ہوگی

جب کوئی معاہدہ اللہ کے نام پر کیا گیا ہو اور معاہدہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا گیا ہو یا اللہ کی قسم کھائی گئی ہو تو ایسے حلفیہ معاہدے کی قدر و قیمت اور اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ کی قسم کھانے کا مطلب ہے کہ اللہ کے ساتھ معاہدہ کرنا ایسے معاہدے کی حفاظت اور اس کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اب وہ

ایمان کا حصہ بن گیا اور اس کی خلاف ورزی انتہائی سنگین اور قابل پکڑ جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَأَوْفُواْ بِعَهْدِ اللّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلاَ تَنقُضُواْ الأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلاً إِنَّ اللّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ O

(سورۃ النحل ۔ ۹۱)

اور اللہ کے وعدے کو پورا کرو جب تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ کو ضامن ٹھہرا چکے ہو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھائی جائے تو وہ خیانت کرے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اگر بحرین سے مال آیا تو میں تم کو اس طرح اور اس طرح دوں گا۔ پس نبی کریم ﷺ کی زندگی میں بحرین سے مال نہیں آیا، حتیٰ کے آپ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ (آپ ﷺ کے وصال کے بعد) جب بحرین سے مال آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اعلان

کروایا کہ جس شخص سے رسول اللہ ﷺ نے کوئی عہد یا آپ ﷺ کا قرض ہو تو وہ ہمارے پاس آئے۔ چنانچہ میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایسے ایسے فرمایا تھا۔ پس حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے مجھے لپ بھر کر مال دیا، میں نے اسے گنا تو وہ پانچ سو تھے، پھر انہوں نے مجھ سے فرمایا اس سے دوگنا اور لے لو (تا کہ تین مرتبہ لپ بھر کر لینا ہو جائے)۔ (صحیح بخاری و مسلم)

دل میں اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنا

دل میں ہر وقت یہ دھیان رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری ظاہری اور باطنی حالت کا علم ہے۔ دل کے ارادوں، خیالات کو وہ جانتا ہے۔ برے ارادے یا خیالات کے دل میں بار بار آنے سے عبادت میں خلل آتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر روز ایک مقررہ وقت پر کسی جگہ تنہائی میں بیٹھ جائے آنکھیں بند کر کے اللہ کے متعلق سوچے۔ زبان سے کچھ نہ پڑھے اور یہ تصور کرے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے دل کو دیکھ رہا ہے اس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اسی طرح چلتے پھرتے بھی ہر وقت یہی خیال دل میں جمائے اس کو وقوف قلبی کہتے ہیں۔ ان شاء اللہ اس طرح دل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جُڑ جائے گا اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں ہوگا۔

اس کی مثال اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ انسان گاڑی چلا رہا ہوتا ہے اور ساتھ ساتھ باتیں بھی کر رہا ہوتا ہے۔ ہاتھ اور پاؤں کو ٹریفک کے مطابق حرکت دیتا رہتا ہے۔ بظاہر وہ باتیں کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کا دماغ ڈرائیونگ کی طرف ہوتا ہے اس لئے گاڑی بھی چلتی رہتی ہے اور باتوں میں بھی کوئی خلل نہیں آتا۔ اگر وہ ڈرائیونگ کی طرف سے ایک لمحہ بھی غافل ہوا تو ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر کثیر کا حکم دیا ہے اور ذکر کثیر کرنے والوں کے ساتھ مغفرت اور جنت کا وعدہ کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْراً كَثِيْراً O

(سورۃ الاحزاب ۔ ۴۱)

اے اہلِ ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ O

(سورۃ الجمعہ ۔ ۱۰)

اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ۔

ایک مسلمان پر جتنی چیزیں فرض ہیں اس کی ایک حد ہے اور ان میں بعض حالتیں ایسی ہیں جن میں اسے کرنے سے منع کیا گیا ہے اور بعض حالتیں ایسی ہیں جن میں وہ فرض معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن ذکر کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی ہے اور فرمایا کہ اٹھتے بیٹھتے لیٹے کروٹ بدلتے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو۔

حضرت ابو یعلیٰ شداد بن اوس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد آنے والی زندگی کے لئے تیاری کرے۔ اور بے وقوف وہ ہے جو اپنے آپ کو نفسانی خواہشات کے پیچھے لگائے رکھے اور اللہ سے بڑی بڑی آرزوئیں وابستہ رکھے۔

(جامع الترمذی)

قرآنِ پاک کی تلاوت

ہر مسلمان کو چاہیئے کہ قرآن پاک کی روزآنہ تلاوت کا معمول بنالے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کا ارادہ ہوتو سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے فرمائش کی ہے کہ ہمارا کلام پڑھ کر سناؤ۔ جب کوئی بڑا آپ سے قرآن پاک سنانے کی فرمائش کرے تو کوشش ہوتی ہے کہ صحیح اور عمدہ طریقہ سے اس کی تلاوت کی جائے۔ پھر یہ سوچے کہ ذاتِ باری تعالیٰ فرمائش کر رہی ہے تو کس قدر عمدہ تلاوت کرنی چاہیئے۔ تلاوت کرتے کرتے اگر دل میں غفلت آجائے تو پھر اسی خیال کو تازہ کرلیں۔ ایک مدت تک ایسا کرنے سے دل کی غفلت دور ہو جائے گی اور قرآن مجید کی تلاوت میں حلاوت محسوس ہوگی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ﴾

(سورۃ المزمل ۔ ۲۰)

قرآن کی تلاوت کرو جس قدر تم سے ہو سکے

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَـئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَـئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ O

(سورۃ البقرہ ۔ ۱۲۱)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسے) پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے تو یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اس کو نہیں مانتے وہ خسارہ پانے والے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ یہ تمام امور کی جڑ ہے اور تلاوت قرآن اور ذکر کو لازم رکھو کیونکہ یہ آسمان میں تمہارے ذکر کا سبب ہے اور زمین میں تمہاری ہدایت کا۔

(جامع الصغیر ۔ طبرانی)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا! یا رسول اللہ ﷺ ان کو صاف کرنے کا طریقہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا موت کا ذکر کثرت سے کرو اور قرآن مجید کی تلاوت کرو۔

(شعب الایمان ۔ بیہقی)

حضرت ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے اس کو اس کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ **الم** ایک لفظ ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ (ترمذی)

حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ جس شخص نے نماز میں کھڑے ہو کر کلام پاک پڑھا اس کو ہر حرف پر سو نیکیاں ملتی ہیں اور جس نے نماز میں بیٹھ کر پڑھا اس کو پچاس نیکیاں ملتی ہیں جس نے نماز کے بغیر باوضو پڑھا اس کو پچیس نیکیاں ملتی ہیں اور جس نے نماز کے بغیر بلاوضو پڑھا اس کے لئے دس نیکیاں ہیں۔

بعض احادیث میں آتا ہے کہ ایک ہزار آیات پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ بہتر ہزار آٹھ سو احد پہاڑوں کے برابر پہنچ جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو اٹکتا ہوا پڑھتا ہے اس کو دوہرا اجر ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی اور ابوداؤد)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ اپنی کتاب " لالی مصنوعہ " میں بزاز کی ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

جب آدمی مرتا ہے تو اس کے گھر کے لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس کے سرہانے ایک نہایت حسین و جمیل صورت شخص ہوتا ہے۔ جب کفن دیا جاتا ہے تو وہ شخص کفن اور سینہ کے درمیان ہوتا ہے اور جب دفن کرنے کے بعد لوگ واپس لوٹتے ہیں اور منکر نکیر آتے ہیں تو وہ اس شخص کو علیحدہ کرنا چاہتے ہیں کہ سوال یکسوئی سے کر سکیں مگر یہ کہتا ہے کہ یہ میرا ساتھی ہے میرا دوست ہے میں کسی حال میں بھی اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔ تم سوالات پر معمور ہو تم اپنا کام کرو۔ میں اس وقت تک اس سے جدا نہیں ہوں گا جب تک اسے جنت میں داخل نہ کروالوں۔ اس

کے بعد وہ مرنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میں وہ قرآن ہوں جس کو تو کبھی بلند آواز میں پڑھتا تھا اور کبھی آہستہ، تو بے فکر ہو جا۔ منکر نکیر کے سوالات کے بعد تجھے کوئی غم نہیں ہے، اس کے بعد جب وہ اپنے سوالات سے فارغ ہو جاتے ہیں تو یہ ملاء اعلیٰ سے اس کے لئے ریشم کے بستر وغیرہ کا انتظام کرتا ہے جو خوشبو مشک سے بھرا ہوتا ہے۔

اس کے برعکس جو قرآن سے لاپرواہی برتتے ہیں ان کو جہنم میں گرانے کا باعث بھی بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی تلاوت کرنے کی بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نماز میں خشوع وخضوع

نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ خیال ہونا چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ قیامت کا دن ہے اور میدان حشر میں حساب کتاب ہو رہا ہے۔ سامنے جنت اور دوزخ ہیں۔ میرا فیصلہ ہونے والا ہے اس طرح سے نماز میں خوب دل لگے گا۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ نماز شروع کر کے ہر لفظ پر توجہ دے جو وہ زبان سے ادا کر رہا ہے اور اس کا مطلب ذہن میں رکھے جو لفظ زبان سے نکل رہے ہیں ان کے کیا معنی ہیں، جب سجدہ کرے تو تصور کرے کہ میرا سر اللہ تعالیٰ کے قدموں میں ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ مومن جب سجدہ کرتا ہے تو اس کا سر اللہ تعالیٰ کے قدموں میں ہوتا ہے۔ ہر رکن پر ارادے سے خیال کر کے نماز پڑھے، رکوع، سجود، قیام کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ادا کرے تو نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہو جائے گا۔

ارشادِ باری تعالیٰ!

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ: (سورۃ آل عمران ۔ ۱۷)

(پچھلی راتوں میں گناہوں کی مغفرت طلب کرنے والے)

یہ بھی اہل تقویٰ کی خاص صفت ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ قیام اللیل (نماز تہجد) کو لازم پکڑو

کیونکہ تم سے پہلے جو صالحین تھے یہ ان کا طریقہ رہا ہے اور یہ تمہارے رب کی نزدیکی کا سبب ہے۔ گناہوں کا کفارہ کرنے والی ہے اور گناہوں سے روکنے والی ہے۔

(جامع ترمذی)

حضرت عمرو بن عبید ؓ سے روایت ہے کہ انحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب آخری رات کے حصہ میں ہوتا ہے۔ سو اگر تم سے ہو سکے تو ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو اس وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ (رواۃ الترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! نماز میں چھینکنا، اونگنا، جمائی لینا، حیض کا آنا، قے ہونا، نکسیر پھوٹنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔

(جامع ترمذی)

حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے اور میری نماز اور میری قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے اور ان چیزوں میں شبہ ڈالتا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یہ وہ شیطان ہے جس کو ”خنزب“ کہتے ہیں۔ پس جب تمہیں اس کا احساس ہو تو تم اللہ سے پناہ مانگو اور بائیں طرف تین دفعہ تھتکار دو۔ حضرت عثمان ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق میں نے اسی طرح کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس (شیطان) کے وساوس اور شبہات سے محفوظ رکھا۔

(صحیح مسلم)

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے فضائل

انسانی معاشرے میں جب بھی حقوق العباد کی بات ہوتی ہے تو سب سے پہلے والدین کے حقوق کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ والدین معاشرے کی بنیاد اور اصل ہیں۔ اگر اصل مضبوط اور صحیح وسلامت ہو تو معاشرے کا درخت سرسبز وشاداب رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے والدین کو انتہائی بلند مقام ومرتبہ پر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ والدین ہی کسی انسان کو دنیا میں لانے کا سبب بنتے ہیں اور اس کی بچپن میں پرورش کرتے ہیں جب وہ انتہائی مجبور اور لاچار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے دل میں اولاد کے لئے محبت ، رحمت اور ہمدردی کے جذبات رکھے ہیں۔ والدین زندگی بھر اپنی اولاد کی خاطر ہر قسم کی تکلیف ومشقت ہنسی خوشی برداشت کرتے ہیں۔ اپنی راحت اور آرام کو اپنی اولاد پر قربان کر دیتے ہیں۔ خود روکھی سوکھی کھا لیتے ہیں لیکن اولاد کی غذا کی فکر وجستجو میں لگے رہتے ہیں۔ خود معمولی لباس پہن لیتے ہیں لیکن اولاد کے لئے بہترین و مناسب لباس کا انتظام کرتے ہیں ان کے لئے سردی وگرمی سے بچنے کا انتظام کرتے ہیں۔ والدین ہی وہ ہستیاں ہوتی ہیں کو اپنی اولاد سے بے لوث محبت کرتے ہیں اور ان کے لئے ہر خیر و بھلائی کی فکر میں رہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں انسانیت کا وجود خالق کائنات کے بعد والدین کا مرہون منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر والدین کی اطاعت وفرمابرداری اور ان

کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَقَضَی رَبُّکَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً إِمَّا یَبْلُغَنَّ عِندَکَ الْکِبَرَ أَحَدُہُمَا أَوْ کِلاَہُمَا فَلاَ تَقُل لَّہُمَا أُفٍّ وَلاَ تَنْہَرْہُمَا وَقُل لَّہُمَا قَوْلاً کَرِیْماً (23)وَاخْفِضْ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْہُمَا کَمَا رَبَّیَانِیْ صَغِیْراً (24)

(سورۃ بنی اسرائیل: ۲۴ ۔ ۲۳)

تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرو اور یہ کہ تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرو۔ اگر تمہارے سامنے ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو اس وقت کبھی " اف " تک بھی مت کہنا، اور نہ ان کو جھڑکنا، ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ بازو جھکائے رکھو، اور ان کے لئے یوں دعا کرتے رہنا کہ: اے میرے رب! تو ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا۔

اس آیت میں انسان کو اس کے خالق و مالک کی طرف سے اپنی عبادت اور بندگی کے فوراً بعد والدین کی اطاعت وفرمابرداری، ان کی خدمت وخبر گیری، ان

کے ساتھ تواضع اور انکساری اور خوش کلامی، ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے ادب واحترام کی انتہائی موثر اور خوبصورت انداز میں تاکید وتلقین کی گئی ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ والدین کی خدمت اور اطاعت ہمیشہ ہی ضروری اور لازمی ہے اور اس خدمت اور اطاعت کی ضرورت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب وہ بوڑھے ہو جاتے ہیں اور ان کے اعصاب جواب دے چکے ہوتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی قوت کمزور ہو چکی ہوتی ہے اور قویٰ اور ہمت تقریباً جواب دے چکی ہوتی ہے۔ اندیشے، وسوسے، اور بیماریاں بے بسی اور بے چارگی کا احساس بڑھا دیتی ہیں۔ اس آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان کے لئے ہمیشہ دعائے خیر کرتے رہنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ نے دعا کے الفاظ تک سکھلا دئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنے والدین کے لئے دعا کرتے وقت اپنے بچپن کے اس دور کو یاد کرنے کا حکم اس لئے دیا تا کہ اس طرح والدین کی شکر گزاری اور احسان مندی کا احساس ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اپنے وقت پر نماز پڑھنا، انہوں نے پوچھا کہ اس کے بعد۔ آپ ﷺ نے فرمایا! والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔ انہوں نے عرض کیا پھر اس کے بعد۔ آپ ﷺ نے فرمایا! جہاد فی سبیل اللہ۔

امام مسلم نے روایت نقل کی ہے کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا الا یہ کہ اگر وہ اسے کسی کے پاس غلامی کی زندگی گزارتا ہوا پائے اور وہ اسے خرید کر آزاد کر دے۔ طبرانی نے روایت نقل کی ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میرے دل میں جہاد کی بڑی خواہش ہے لیکن مجھے اس پر قدرت حاصل نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا! کیا تمہارے والدین میں کوئی حیات ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ حیات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کیونکہ ایسا کرنے سے تمہیں حج، عمرہ اور جہاد کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔

امام احمدؒ روایت نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر میں برکت ہو اور اس کے رزق میں اضافہ ہو تو اسے چاہئے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور صلہ رحمی کرے۔

امام مسلمؒ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ منبر پر چڑھے تو تین مرتبہ آمین کہا۔ پھر فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل (علیہ السلام) آئے تھے اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ اے محمد (ﷺ)! جو شخص اپنے والدین میں سے کسی ایک کو پائے لیکن ان کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے اور مر کر جہنم میں داخل ہو جائے تو اللہ اسے اپنے رحمت سے دور کر دے۔ آپ اس پر آمین فرمائیے۔ چنانچہ میں نے اس پر آمین کہی۔ پھر جبرئیل (علیہ السلام) نے کہا کہ اے محمد (ﷺ)!

جو شخص ماہ رمضان پائے اور مر جائے اس حال میں کہ اس کی بخشش نہ ہوئی ہو (یعنی توجہ کر کے اور روزے رکھ کر اپنی بخشش نہ کروالے) تو اللہ اسے اپنے رحمت سے دور فرما دے۔ آپ (ﷺ) اس پر آمین فرمایئے۔ چنانچہ میں نے اس پر بھی آمین کہا۔ پھر جبرئیل (علیہ السلام) نے کیا کہ اے محمد (ﷺ)! جس شخص کے سامنے آپ (ﷺ) کا تذکرہ ہو اور وہ آپ (ﷺ) پر درود نہ پڑھے اور مر کر جہنم میں داخل ہو جائے تو اللہ اسے بھی اپنی رحمت سے دور کر دے۔ اس پر آمین فرمایئے۔ چنانچہ میں نے اس پر بھی آمین کہی۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے دور با سعادت میں میرے پاس میری والدہ آئیں، اس وقت وہ مشرکہ تھیں، میں نے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ دریافت کیا کہ میری والدہ میرے پاس آئی ہیں اور انہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! ہاں! تم اپنی والدہ کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

ترمذی شریف میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا مجھ سے بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تمہاری والدہ زندہ ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ نہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہاری خالہ زندہ ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جاؤ ان کے ساتھ

حسن سلوک کرو۔

ابو داؤد اور ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ کیا والدین کے فوت ہو جانے کے بعد بھی کوئی ایسی نیکی ہے جو میں ان کے ساتھ کر سکوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! ہاں۔ ان کے لئے دعا و استغفار کرو، ان کے وعدے پورے کرو، اور ان رشتہ داروں کو جوڑو جو ان ہی کے حوالے سے جڑتی ہیں، ان کے دوستوں کا احترام کرو۔

ابن حبان ؒ نے حضرت ابو بردہ ؓ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے پاس کیوں آیا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دراصل میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اپنے باپ کے ساتھ اس کی قبر میں صلہ رحمی کرنا چاہتا ہے، اسے چاہئے کہ اس کے بھائیوں سے صلہ رحمی کرے۔ میرے والد حضرت عمرؓ اور تمہارے والد کے درمیان بھائی چارا اور دوستی تھی اس لئے میں صلہ رحمی کرنا چاہتا ہوں۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک دفعہ تین دوست سفر پر روانہ ہوئے، راستے میں بارش شروع ہوگئی اور وہ ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ جوں ہی وہ غار میں داخل ہوئے تو اس کے منہ پر ایک چٹان آ کر گری اور غار کا دہانہ بند ہو گیا۔

وہ لوگ یہ دیکھ کر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اس سے نجات پانے کا یہ طریقہ ہے کہ ہم اپنے سب سے اچھے عمل کا اللہ تعالیٰ کو واسطہ دے کر اس سے دعا کریں، شاید وہ ہماری پریشانی دور کر دے۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر یہ دعا کہ کہ اے اللہ! میرے والدین بہت بوڑھے ہو چکے تھے، میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں چرواہا تھا، میں شام کو گھر آ کر سب سے پہلے ان ہی کو دودھ دوھ کر پیش کرتا تھا۔ ایک دن چارے کی تلاش میں میں دور تک نکل گیا اور شام تک واپس اپنے والدین تک نہ پہنچ سکا اور وہ دودھ پیئے بغیر سو گئے۔ جب میں دودھ لے کر ان کے پاس پہنچا تو وہ سو چکے تھے۔ میں نے ان کو پلانے سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو دودھ پلانا گوارا نہ کیا۔ میں ساری رات دودھ کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا حتیٰ کے صبح صادق ہو گئی اور وہ بیدار ہو گئے اور انہوں نے دودھ پیا۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ کام صرف تیری رضا حاصل کرنے کے لئے کیا تھا تو تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما۔ اس پر وہ چٹان ایک جگہ سے تھوڑی سی سرک گئی۔ پھر دوسرے نے اپنے زنا سے بچنے کا اور تیسرے نے مزدور کو اس کا حق کئی سالوں بعد پورا پورا ادا کرنے کا ذکر کیا تو وہ چٹان ہٹ گئی اور وہ لوگ اس غار سے باہر نکل کر اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! نامراد ہو، پھر نامراد ہو، پھر نامراد ہو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! کون نامراد ہو۔ فرمایا کہ جس نے اپنے والدین کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی

حالت میں پایا اور پھر بھی انہیں خوش کر کے جنت میں داخل نہ ہوسکا۔

(صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

(جامع ترمذی)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تم اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، تمہاری اولاد تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گی۔ (طبرانی)

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ الساعدیؓ سے روایت ہے کہ ایک بار وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اس دوران بنوسلمہ سے تعلق رکھنے والا ایک شخص وہاں آیا اور اس نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا میرے والدین کے مرنے کے بعد بھی میرے ذمہ ان کا کوئی حق رہتا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! ہاں! تم ان کے لئے دعا کرتے رہنا، ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کرتے رہنا، انہوں نے جس کسی کے ساتھ جو کوئی عہد و پیمان کر رکھا ہو اسے ان کے بعد بھی نبھاتے رہنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور اس رشتے کو جوڑے رکھنا جو ان کے ذریعہ جڑا ہوا تھا۔

(ابن ماجہ، ابوداؤد، احمد)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے۔ (یعنی تین بار ارشاد فرمایا) ہم نے عرض کیا کہ ضرور ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی۔ (صحیح بخاری)

والدین میں سے دونوں ہی یقیناً انتہائی واجب الاحترام ہیں اور قرآن و حدیث میں دونوں کے ساتھ حسن سلوک، ان کی عزت و خدمت، اور اطاعت و فرمابرداری کا حکم آیا ہے۔ البتہ ان دونوں میں سے خاص طور پر "ماں" کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید آئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تمہاری ماں کا۔ پوچھا اس کے بعد! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تمہاری ماں کا۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! تمہاری ماں کا۔ پھر پوچھا کہ اس کے بعد: آپ ﷺ نے فرمایا! تمہارے باپ کا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

والدین کے ساتھ حسن سلوک، ان کی اطاعت و خدمت اور ان کی قدردانی کے بارے میں یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ دنیا میں والدین کے سوا

باقی ہر رشتہ ایسا ہے جو ایک سے زیادہ بار نصیب ہو سکتا ہے۔ مثلاً بھائی بہن ایک سے زائد ہو سکتے ہیں، اولاد بھی بہت سی ہو سکتی ہے، شوہر بیوی میں کسی ایک کا انتقال یا طلاق ہو جائے تو کسی کو دوبارہ گھر بسانے کی رغبت ہو تو دوسرا شوہر یا دوسری بیوی مل سکتی ہے۔ لیکن ماں باپ کا رشتہ ایسا نازک اور اس قدر قیمتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ انسان کو اپنی پوری زندگی میں پیدائش سے موت تک صرف اور صرف ایک بار " ماں باپ " نصیب ہوتے ہیں۔ کسی کی دو مائیں نہیں ہوتیں یا دو باپ نہیں ہوتے۔ لہٰذا جب تک وہ حیات ہیں ان کی قدر کرنی چاہیے۔

قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک

دین اسلام میں اپنے قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک ، صلہ رحمی، ان کی عزت و تکریم، ان کی خدمت و خبر گیری، دکھ سکھ میں شرکت اور بوقت ضرورت مالی و اخلاقی مدد کرنے کی بے حد تاکید کی گئی ہے۔ اس کو دنیا و آخرت میں باعثِ خیر و برکت اور سعادت مندی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس قرابت داروں کے ساتھ بدسلوکی، قطع رحمی اور ان کے حقوق کی حق تلفی کو انسان کے لئے لعنت، بے برکتی، عمر و رزق میں کمی اور تنگی کا سبب قرار دیا ہے اور اس کے علاوہ آخرت کی سزائیں الگ ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِىْ تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً O

(سورۃ النساء ۔ ۱)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اوّل۔ حضرت آدم علیہ السلام) اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر اُن دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور اللہ سے، جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو

اور ناطہ توڑنے سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً O

(سورۃ بنی اسرائیل ۔ ۲۶)

اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِيْ الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِيْ الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِيْنَ فِيْ الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِيْنَ الْبَأْسِ أُولَـئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوا وَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ O

(سورۃ البقرہ ۔ ۱۷۷)

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کران) کی طرف منہ کرلو

بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جب عہد کرلیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَالَّذِيْنَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الحِسَابِ ○

(سورۃ الرعد ۔ ۲۱)

اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○

(سورۃ محمد ۔ ۲۲)

پس اے منافقو! تم سے توقع یہی ہے کہ اگر تم (قتال سے گریز کر کے بچ نکلو اور)

حکومت حاصل کرلو تو تم زمین میں فساد ہی برپا کروگے اور اپنے ان قرابتی رشتوں کو توڑ ڈالوگے (جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے محبت کرنے اور جوڑنے کا حکم دیا ہے)۔

پڑوسی کے حقوق

اللہ تعالیٰ نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی بہت تاکید فرمائی ہے اور ان کے ساتھ احسان کا ایسا حکم دیا ہے جیسے والدین، قرابت دار، یتیم اور مسکین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے۔

اسلام کی تعلیمات و ہدایات کی روشنی میں ہر انسان کے لئے سب ہی کے ساتھ عزت و احترام کا برتاؤ کرنا، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آنا، کسی قسم کی بدسلوکی، اذیت رسانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے باز رہنا ضروری ہے۔ چونکہ کسی بھی انسان کی خوش اخلاقی یا بداخلاقی سے عام لوگوں کی بہ نسبت اس کے پڑوسی براہ راست متاثر ہوتے ہیں ۔ اس لئے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک اور خوش اخلاقی کی خاص طور پر تاکید و تلقین کی گئی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَاعْبُدُواْ اللّهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً

وَبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ أَیْمَانُکُمْ إِنَّ اللّٰہَ لاَ یُحِبُّ مَن کَانَ مُخْتَالاً فَخُوراً O

(سورۃ النساء ۔ ۳۶)

اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کیساتھ احسان کرو کہ اللہ تعالیٰ (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت میں پڑوسی کے تین درجہ اور مرتبے بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی وہ پڑوسی جس کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق بھی ہو، اس پڑوسی کے ساتھ دہرا تعلق ہونے کی وجہ سے اس کا مرتبہ ومقام اور اس کا حق بھی زیادہ ہے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ ضرورت ہے۔ دوسرا درجہ محض برابر میں رہنے والا یا ہمسایہ، یعنی وہ شخص جو صرف پڑوسی ہو اس کے ساتھ رشتہ داری کا کوئی تعلق نہ ہو اس کے ساتھ بھی حسن سلوک ضروری ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ تیسرا درجہ وہ پڑوسی جو مختصر مدت کے لئے اور محض تھوڑی دیر کے لئے آپ کے ساتھ ہو یعنی ہم جماعت،

دفتر کا ساتھی، کسی مسافر خانے میں یا ہوئی جہاز، ریل، بس یا کسی قطار میں جس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی قید نہیں ان کا احترام وعزت، حسن سلوک کا رویہ رکھنا ضروری ہے۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ آپ کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف یا نقصان نہ پہنچ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ ﷺ نے اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کو پڑوسی کے نہ ستانے پر موقوف رکھا ہے۔ اگر کامل ایمان رکھتا ہو تو اس کا یہ ایمان اپنے پڑوسی کو ستانے سے روک دیتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! وہ کون شخص ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا! وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور ایذاؤں سے محفوظ نہ ہو۔ ایک اور روایت میں فرمایا! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے ہمسائے (یا بھائی) کے لئے وہی پسند نہ کرنے لگے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

ایک بار رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی عورت کے بارے میں یہ تذکرہ ہوا کہ وہ بہت زیادہ نفل نماز روزہ، صدقہ وخیرات کا اہتمام کرتی ہے مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کی تلخ کلامی اور زبان درازی سے بہت بے زار ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا! اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اس کے بعد ایک عورت کا تذکرہ ہوا جو نفل عبادت کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی تھی مگر یہ کہ اس کے پڑوسی اس کے حسن سلوک کی وجہ سے آسودہ ومطمئن ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا! یہ عورت جنت میں جائے گی۔ (مسند احمد)

طبرانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! میں بنو فلاں کے محلّہ میں رہتا ہوں۔ ان میں مجھے سب سے زیادہ تکلیف وہی آدمی دیتا ہے جو میرا سب سے قریبی ہمسایہ ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؓ کو بھیجا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کر دیں کہ چالیس گھروں تک پڑوس ہوتا ہے اور کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کا پڑوسی اس کے شر سے خوف زدہ ہو۔

ابوالشیخ ابن حبان نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے اپنے پڑوسی کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی گویا کہ اس نے اللہ کو اذیت دی۔ اور جس نے اپنے پڑوسی سے جنگ کی اس نے مجھ سے جنگ کی اور جس نے مجھ سے جنگ کی گویا اس نے اللہ سے جنگ کی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو رات کو پیٹ بھر کر سوتا ہے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اسے اس بات کا علم بھی ہو۔

(مجمع الزوائد)

طبرانی میں حضرت معاویہ بن حیدہ ؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر کیا حق ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے، اگر مر جائے تو مسلمان ہونے پر اس کی نماز جنازہ پڑھے، وہ قرض مانگے تو اسے قرض دے دے، اگر اس کے اندر کوئی عیب ہے تو اس کو پوشیدہ رکھے۔ ایک دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر وہ مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرے، اگر وہ محتاج ہو تو اس کو عطا کرے، یہ حقیقت ہے کہ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو پڑوسی کا حق ادا کرتے ہیں، جن پر اللہ رحم فرمائے۔

ترمذی اور حاکم نے روایت نقل کی ہے کہ تم میں بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے حق میں بہترین ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہترین پڑوسی ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں بہترین ہو۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن سے محبت کرتا ہے ان میں وہ شخص بھی ہے جس کا کوئی برا ہمسایہ ہو اور اور اس کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرے یہاں تک کہ اللہ زندگی و موت کے ذریعہ اس کی کفالت کرلے۔

بخاری شریف میں روایت کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل (علیہ السلام) مجھے مسلسل پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وراثت میں بھی حقدار قرار دیں گے۔

امام احمدؒ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک انصاری صحابی کہتے ہیں ایک مرتبہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے آیا، اس وقت نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے تھے اور ایک آدمی ان کی طرف متوجہ تھا۔ میں یہ سمجھا کہ شاید اسے نبی کریم ﷺ سے کچھ کام ہے چنانچہ میں بیٹھ گیا، بخدا نبی کریم ﷺ اتنی دیر تک اس کے ساتھ کھڑے رہے کہ مجھے نبی کریم ﷺ پر ترس آنے لگا، جب وہ آدمی چلا گیا تو میں اٹھ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس آدمی نے آپ کو اتنی دیر تک کھڑا رکھا کہ مجھے آپ (ﷺ) پر ترس آنے لگا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کیا تم جانتے ہو وہ آدمی کون تھا؟ میں نے عرض کیا! نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! وہ جبرائیل (علیہ السلام) تھے اور مجھے مسلسل پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کر رہے تھے حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ شاید وہ اسے وراثت میں بھی حقدار قرار دے دیں گے۔

زبان کی حفاظت

انسان پر پروردگار کے بے شمار احسانات وانعامات ہیں ان میں ایک بڑا احسان " قوت گویائی " ہے۔ یعنی خالق کائنات نے انسان کو زبان کی شکل میں ایک انتہائی قیمتی نعمت عطا فرمائی ہے اور پھر اس زبان کے ذریعہ سے اسے بولنے کی قوت عطا فرمائی ہے تاکہ وہ اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

خَلَقَ الْإِنسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

(سورۃ الرحمان: ۳ ـ ۴)

اس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بولنا سکھایا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات انسان کی فطرت میں رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے کے ساتھ خیر کا معاملہ کرے یا اس کی مدد کرے تو وہ شخص اپنے محسن کے بارے میں انتہائی احترام ومحبت کے جذبات رکھتا ہے اور اس کی ناراضگی اور نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کا محسن اسے کسی کام کے لئے کہے تو وہ اسے منع کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو بہت قیمتی تحفہ یا انعام دے تو تحفہ یا انعام وصول کرنے والے شخص میں اتنی حیا ومروت تو ہوتی ہی ہے کہ وہ اس چیز کو اپنے محسن کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ یہ فطری بات معلوم ہونے کے

بعد اگر ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان جیسی بڑی نعمت عطا فرمائی ہے جس سے وہ اپنی دکھ تکلیف ، خواہشات وضروریات کا دوسروں پر اظہار کرتا ہے تو اس کو اس طریقہ سے استعمال کرے جس طرح کرنے کے لئے اس کے خالق و مالک نے ہدایت کی ہے۔ اس کی ہدایات وتعلیمات کے خلاف نہ کرے اور اس کی رضا مندی اور خوشنودی حاصل کرنے کا سامان کرے۔ ایسی بات نہ بولے جس میں فتنہ وفساد ہو اس کی گفتگو میں دوسروں کے لئے خیر و عافیت، خوشی وسلامتی کا پیغام ہو۔

زبان کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا تاکید و تلقین کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً ﴾

(سورۃ البقرہ ۔ ۸۳)

لوگوں سے ہمیشہ خوش اخلاقی سے بات کرو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَقُل لِّعِبَادِی یَقُولُواْ الَّتِی هِیَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّیْطَانَ یَنزَغُ بَیْنَهُمْ إِنَّ الشَّیْطَانَ کَانَ لِلإِنْسَانِ عَدُوّاً مُّبِیناً O

اور آپ (ﷺ) میرے بندوں سے فرما دیجئے کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں جو بہتر ہوں۔ بے شک شیطان لوگوں کے درمیان فساد برپا کرتا ہے، یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۔ ۵۳)

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً O

(سورۃ الاحزاب ۔ ۷۰)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صحیح اور سیدھی بات کیا کرو

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ O

وہ منہ سے کوئی بات نہ کہنے پاتا مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے والا) تیار رہتا ہے۔

(سورۃ ق ۔ ۱۸)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ہمیشہ اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔ بعض اوقات انسان اپنی زبان سے کوئی ایسی بات کہتا ہے جو اللہ کی ناراضگی کا سبب بنتی ہے اگر چہ اس انسان کی نظر میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی مگر یہ بات اس کو جہنم میں جا گرنے کا سبب بنتی ہے۔ (صحیح بخاری)

زبان کی اس قدر اہمیت اور اس کی نزاکت کے پیش نظر اسلامی آداب و تعلیمات کا علم ہونا ایک مسلمان کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

فضول اور بلاضرورت گفتگو ناپسندیدہ عادات میں شمار ہوتی ہے اور یہ مومن کی شان کے خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! انسان کے لئے بہتر مسلمان ہونے کی علامات میں ایک چیز یہ بھی ہے کہ ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرے جس کے ساتھ اس کا تعلق نہ ہو۔ اللہ کے ذکر کے سوا دوسری باتیں ضرورت سے زیادہ نہ کیا کرو، کیونکہ اللہ کے ذکر کے سوا کثرتِ کلام سے دل سخت ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت سے سب سے زیادہ دور اور محروم وہی شخص رہتا ہے جس کا دل سخت ہو۔ (جامع ترمذی)

بلاضرورت اپنے گھر سے باہر گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومنے سے پرہیز کیا جائے۔ گناہوں سے بچنے کے باوجود اگر فطری انسانی کمزوری کے باعث کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر خوش ہونے یا اصرار کرنے کے بجائے جلد از جلد خلوصِ دل سے توبہ استغفار کیا جائے۔

کثرت کلام انسان کی ناپختگی اور ناسمجھی کی دلیل ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے یہ عادت انسان کے لئے کسی بھی وقت کسی بڑی آفت و مصیبت کا سبب بن سکتی ہے جبکہ اس کے برعکس خاموشی اور کم گوئی عقلمندی اور سمجھداری کی نشانی ہے اس میں عافیت وسلامتی کا راز پوشیدہ ہے۔ قول مشہور ہے کہ "جب انسان کی عقل پختہ ہو جاتی ہے تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے" ۔ ایک مشہور قول ہے کہ جو شخص خاموش رہا وہی سلامت رہا اور جو سلامت رہا اسی نے نجات پائی۔ قول ہے کہ

انسان کی گفتگو چاندی کی طرح قیمتی ہے اور اس کی خاموشی سونے کی طرح قیمتی ہے۔

جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا، بندوق کی گولی نکلنے کے بعد واپس نہیں ہوسکتی اسی طرح زبان سے ایک بات نکل گئی تو وہ بھی واپس نہیں ہو سکتی۔ یہ بات انسان کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ اپنی زبان سے کوئی بھی لفظ ادا کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح سوچ لے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بات اس کے اپنے لئے یا دوسروں کے لئے شر ونقصان کا باعث بن جائے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ انسان کو خاموش رہنے پر شرمندگی ہو بلکہ ایسے موقع بار بار آتے ہیں کہ کوئی بات بولنے پر ندامت وحسرت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کسی کو دنیا و آخرت میں عافیت، سلامتی اور نجات مطلوب ہے اس کو فضول گفتگو سے اجتناب کرنا بہت ضروری ہے۔

باہمی ہنسی مزاق اگر ایک معقول حد کے اندر ہے تو کوئی مضائقہ نہیں البتہ اس موقع پر شرعی آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً ہنسی مذاق میں مبالغہ آرائی اور جھوٹ سے اجتناب کیا جائے۔ کسی ایسی بات سے گریز کیا جائے جس سے کسی کی دل آزاری کا اندیشہ ہو۔ مومن کی یہ شان ہے کہ وہ باوقار وحیادار ہو، حد سے زیادہ ہنسی مذاق اس کے وقار کے منافی ہے۔ ضرورت سے زیادہ اور بے موقع ہنسی مذاق میں بعض اوقات زبان سے کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے کہ کہنے والے کو اس کی نزاکت کا احساس نہیں ہوتا لیکن وہی بات مخاطب کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو جاتی ہے جس سے تعلقات میں خوشگواری کے بجائے تلخی اور کشیدگی کا عنصر نمایاں

ہونے لگتا ہے اور باہمی نفرت وعداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ مشہور قول ہے کہ خنجر کا زخم تو بھر جاتا ہے لیکن زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ باہمی ہنسی مذاق اور کھیل کود میں بعض اوقات ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے جس کی وجہ سے صورتحال یکسر تبدیل ہو جاتی ہے، قہقہوں اور مسکراہٹوں سے بھرپور محفل دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کے میدان کا نقشہ پیش کرنے لگتی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا! یارسول اللہ! ہر قسم کی آفتوں اور پریشانیوں سے سلامتی اور نجات حاصل کرنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے؟ آپ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا! اپنی زبان کو سنبھال کر رکھو، تمہیں تمہارا گھر کافی ہو جائے (یعنی فضول بازاروں اور گلیوں میں نہ گھومو)، اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ (جامع ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا! مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے دوسرے مسلمان سلامت رہیں۔ (صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تاکید

فرمانِ الٰہی ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْراً كَثِيْراً ○

(سورۃ الاحزاب ۔ ۴۱)

اے ایمان والو! کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔

اللہ کے ذکر کرنے کے بہت سے معنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان سے کیا جاتا ہے، دل سے کیا جاتا ہے اور اس کی فرمانبرداری اور اطاعت کو بھی ذکر کرنا کہتے ہیں۔ کسی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہوگی تو وہ اس کے احکامات پر عمل کرے گا۔ اللہ کے خوف سے گناہ چھوڑ دینا بھی ذکر اللہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! بلاشبہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اگر اس نے مجھے تنہائی میں یاد کیا تو میں اسے تنہائی میں یاد کرتا ہوں، اگر وہ جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں (یعنی عالم بالا کے فرشتوں کے سامنے)۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو لوگ کسی جگہ بیٹھ کے اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں، ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور ان پر اطمینان کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو

اپنے درباریوں میں یاد فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم)

زبان سے ذکر کرنے کو بھی ذکر کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قلب کی ترجمان ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ زبان سے ذکر وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی شخص زبان سے ذکر و تسبیح میں مشغول ہو مگر اس کا دل حاضر نہ ہو وہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہے۔ حضرت ابو عثمان نہدیؒ سے کسی نے ایسی حالت کی شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں مگر قلوب میں اس کی کوئی حلاوت محسوس نہیں ہوتی، آپؒ نے فرمایا! اس پر بھی اللہ کا شکر کرو کہ تمہارا ایک عضو یعنی زبان کو اس نے اپنی اطاعت میں لے لیا۔ (قرطبی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی یعنی اس کے احکام، حلال وحرام کا اتباع کیا اس نے اللہ کو یاد کیا۔ اگرچہ اس کی نفل نماز و روزہ وغیرہ کم ہوں۔ اور جس نے احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا اگرچہ (بظاہر) اس کی نماز، روزہ اور تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا! جو شخص حقیقی طور پر اللہ کو یاد کرتا ہے اور اس کے مقابلہ میں ساری چیزوں کو بھول جاتا ہے۔ اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ خود اس کی ساری چیزوں کی حفاظت کرتا ہے اور تمام چیزوں کا بدل عطا فرماتا ہے۔

حضرت معاذ ؓ نے فرمایا! انسان کا کوئی عمل اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے میں ذکر اللہ کے برابر نہیں ہے۔

ذکر سے انسان کے دل کی ظلمت دور ہو جاتی ہے اور اسے قلب سلیم عطا ہو جاتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے!

﴿ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَ صِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللّٰهِ ﴾

(مشکوۃ)

ہر چیز کا ایک صیقل ہوتا ہے اور دل کا صیقل (صفائی) اللہ کا ذکر ہے۔

جب دل صاف اور شفاف ہوگا تو عبادت میں لذت ملے گی اور نیکی کی ہر بات دل پر اثر کرے گی۔ اور اگر دل ہی صاف نہیں ہوگا تو اس کے دل پر خیر کی کوئی بات اثر نہیں کرے گی اور نہ اس کا دل عبادت اور اطاعت کی طرف مائل ہوگا۔

حضرت ابو موسیٰ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا ان دونوں کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے۔

(متفق علیہ)

یعنی ذکر کرنے والے کا دل زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والے کا دل مردہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

﴿ اَلاَ بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴾ (سورۃ الرعد ۔ ۲۸)

خبردار! دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے وابستہ ہے۔

جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں ہے وہ دنیاوی عیش و آرام کے باوجود بے سکون اور پریشان ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اطمینان اسی وقت ملتا ہے جب اللہ کو یاد کیا جائے۔ آج دنیا میں جو لوگ دنیا کی تمام نعمتوں کے باوجود بے سکون ہیں اس کی وجہ یادِ الٰہی سے غفلت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا
وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى O

(سورۃ طٰہٰ ۔ ۱۲۴)

اور جو میرے ذکر سے منہ پھیرے گا اُس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اُسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔

حضرت ابن عباس ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! شیطان آدمی کے دل پر جم کر بیٹھا ہوتا ہے جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو یہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب غافل ہوتا ہے تو یہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔

(بخاری)

حضرت ابو سعید ؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے ہاں کن لوگوں کا درجہ سب سے زیادہ ہوگا تو فرمایا جو لوگ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ (ترمذی و بیہقی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کا ذکر ایمان کی علامت ہے اور نفاق سے نجات اور شیطان سے حفاظت ہے جہنم کی آگ سے بچاؤ ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا عمل عذاب قبر سے نجات دلانے والا نہیں۔

(رواۃ احمد)

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ غافل آدمی پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور شیطان کے ساتھ رہنے سے وہ شیطان کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَاباً صَعَداً O

(سورۃ الجن ۔ ١٧)

اور جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیرے گا وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص ایک مجلس میں بیٹھے اور اس میں اللہ کو یاد نہ کرے، اس کا یہ بیٹھنا اللہ کی طرف سے افسوس اور نقصان ہوگا اور جو شخص اپنے بستر پر لیٹے اس طرح کہ اللہ کو یاد نہ کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے افسوس اور نقصان ہوگا۔

(ابوداؤد)

غفلت ایسی بُری چیز ہے کہ جنتیوں کو بھی ان لمحات پر افسوس ہو گا جن میں انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کیا تھا۔ حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جنت میں جانے کے بعد اہل جنت کو دنیا کی کسی چیز کا بھی دکھ اور افسوس نہیں ہو گا سوائے اس گھڑی کے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر گزر گئی ہو۔
(طبرانی و بیہقی)

جو شخص اپنے دل کو ایک طرف لگا کر اور ادھر ادھر بھٹکنے کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہمیشہ لگا رہے اور کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر آرام نہ لے اور اس کے سوا اس کے دل کو چین نہ آئے۔ وہ ایسی دولت کو پاتا ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہوتا اور حقیقت میں یہی وہ ذکر ہے جو دل کے کاموں کو لذت اور ذوق بخشتا ہے۔ یہی ذکر ہے جو مفلسوں کی پونجی ہے اور عاشقوں کی جھونپڑی کا چراغ ہے۔ یہی ذکر ہے جو مردہ دلوں کو زندہ کرتا ہے اور طالبوں کو مطلوب تک پہنچاتا ہے۔ یہی ذکر ہے جو سالکوں کو ان کی ہستی سے الگ کرتا ہے اور حق تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی تاکید

اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ شکر کرنے کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کا شمار بھی بندے کے لئے ناممکن ہے، ان نعمتوں کا شکر کرنا انسان پر واجب ہے۔ نعمتوں کا اقرار کرنا بھی اس کا شکر ادا کرنے میں آتا ہے۔ اپنے قول و فعل سے نعمتوں کا اظہار کرنا چاہئے۔ ایک طریقہ شکر ادا کرنے کا یہ ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کو نیک کاموں میں خرچ کریں۔ نعمتوں کا منکر ہونا ناقدری ہے اور ان کو گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا ناشکری ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت ہے کہ نعمتیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے اور ہم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں اور نفس اور شیطان کی فرمانبرداری کریں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں سورۃ ابراہیم میں فرماتا ہے۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ O

(سورۃ ابراہیم ۔ ۷)

اور جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں ضرور بالضرور اور زیادہ کروں گا اور ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے۔

انسان کے مزاج میں ناشکری کا عنصر غالب ہے۔

سورۃ الزخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

﴿ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴾ (سورۃ الزخرف ۔ ۱۵)

" بلاشبہ انسان کھلا ناشکرا ہے "

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ O

(سورۃ البقرہ ۔ ۱۵۲)

پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، تم میرا شکر ادا کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

اور سورۃ ابراہیم میں فرمایا!

وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا إِنَّ الْإِنسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ O

(سورۃ ابراہیم ۔ ۳۴)

اور اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سب چیزوں میں سے دیا جن کا تم نے سوال کیا اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کرسکو گے۔ بلاشبہ انسان بڑا ظالم اور بڑا ناشکرا ہے۔

مسلمان کو چاہیئے کہ نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہے اور اللہ کی نعمتوں کو یاد کرتا رہے۔ جب انہیں استعمال کرے تو اللہ کی حمد وثنا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کی حمد کرنا اصل شکر ہے جو بندہ اللہ کی حمد بیان نہیں کرتا، اس نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا۔ (بیہقی)

اللہ کی رسی مضبوط پکڑنے کا حکم

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً وَكُنتُمْ عَلَىَ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ O

(آل عمران ۔ ۱۰۳)

اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گھڑے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! یہ قرآن اللہ کی رسی ہے اس کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے تم اس کو مضبوطی سے پکڑ لو کیونکہ اس کے پکڑنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! میں تمہارے اندر اللہ کی کتاب چھوڑ رہا ہوں، وہ اللہ کی رسی ہے جس نے اس کا اتباع کی وہ ہدایت پر ہوگا اور جس نے اس کو چھوڑ دیا وہ گمراہ ہوگا۔

(درمنثور)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ قرآن کو چھوڑ دینا ہی اصل گمراہی ہے۔ قرآن کو چھوڑ دینے سے مختلف نظریات جنم لیتے ہیں اور مسلمان جدا جدا فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ مختلف فرقوں کے لیڈران اپنے مفادات کا بھی تحفظ چاہتے ہیں۔ آج کل مسلمانوں میں جو فرقہ بندیاں ہیں اس کا اصل سبب قرآن کو چھوڑ دینا ہی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت ؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ بات سنیں گے اور فرمانبرداری کریں گے تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور اس بات پر بھی کہ اپنے امیر سے جھگڑا نہیں کریں گے الا یہ کہ وہ بالکل کفر کی باتیں کرنے لگے۔ جس کے بارے میں ہمیں اللہ کی طرف سے کھلی ہوئی دلیل ہو تو اس وقت اس سے جھگڑا کریں گے۔

(صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! تمہاری تین باتیں اللہ کو پسند ہیں اور تین ناپسند، اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اللہ جس کو تمہارا حاکم بنا دے اس کی خیر خواہی کرو، یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں۔ اور وہ ناپسند کرتا ہے فضول قیل وقال کو (یعنی فضول بحثیں) اور مال کو برباد کرنے کو اور کثرتِ سوال کو۔

(رواۃ مسلم واحمد)

حضرت ابوذر غفاری ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی الگ ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔ (رواۃ احمد و ابوداؤد)

حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
جو حالت بنی اسرائیل کی ہوئی وہی میری امت پر آئے گی یہ ان کے نقش قدم پر چلے گی یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے اعلانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا کرے گا۔ بنی اسرائیل تقسیم ہو کر بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے اور میرے امت تہتر (۷۳) فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں سوائے ایک فرقہ کے باقی سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ نجات پانے والا گروہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوگا۔
(رواۃ ترمذی)

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو دوسرے سے مختلف بنایا ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے خیالات اور سوچ کے انداز میں مختلف ہوتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام ؓ بھی ایک دوسرے سے مختلف خیالات رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود آپس میں شیر و شکر ہو کر رہتے تھے۔ اگر کسی بات پر اختلاف کرتے تھے تو اللہ کے لئے کرتے تھے۔ امت میں توڑ پیدا کرنیوالے کے لئے سخت وعید آئیں ہیں۔

ایک عام مسلمان کا دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی کرنا بھی منع ہے کہ آپس میں تفرقہ نہ پیدا ہو۔

قرآن کریم نے ہمیں ایسے حکیمانہ اصول بتائے ہیں کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام حیات یعنی قرآن پر مضبوطی سے عمل کرنے والا ہو اور سب مسلمان مل کر اس پر عمل کریں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ سب مسلمان باہم متفق و متحد اور منظّم ہو جائیں گے۔ جیسے کوئی جماعت ایک رسی کو پکڑے ہوئے ہو تو پوری جماعت ایک جسم واحد بن جاتی ہے اور شیطان اپنی کوئی شرانگیزی میں کامیاب نہیں ہو سکے گا۔ مسلمان انفرادی اور اجتمائی زندگی میں غیر متزلزل اور ناقابل تسخیر ہو جائے گا۔ اس سے ہٹ کر عمل سے قومی اور اجتمائی زندگی تو تباہ ہوگی ہی اس کے بعد انفرادی زندگی کی بھی کوئی خیر نہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللّهِ ﴾

(سورۃ الانعام ۔ ۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقے ڈالے اور شیعہ ہو گئے (مختلف پارٹیوں میں تقسیم) ہو گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں اور کوئی واسطہ نہیں، بس ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے!

الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُونَ اللّٰہَ قِیَاماً وَقُعُوداً وَعَلٰی جُنُوبِہِمۡ وَیَتَفَکَّرُونَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡأَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ھٰذا بَاطِلاً ج سُبۡحَانَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ O

(آل عمران ۔ ۱۹۱)

جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا۔

القانتین: (فرمانبرداری کرنے والے) یہ لفظ قنوت سے لیا گیا ہے۔ قنوت کے متعدد معنی ہیں ان میں سے ایک معنی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کے ہیں۔ اس فرمانبرداری میں ہر طرح کی عبادت اور منکرات سے بچنا داخل ہے۔

المنفقین:

(خرچ کرنے والے) اس میں مال خرچ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرنے والے ہوتے

ہیں۔ خرچ کرنے کا تعلق مالداری سے نہیں ہے آخرت میں ثواب ملنے کی نیت سے ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت نہیں ہوتی کثیر مال جمع ہوتے ہوئے بھی خرچ نہیں کرتے اور جن کے پیش نظر آخرت کا ثواب ہوتا ہے، وہ تھوڑا مال ہوتے ہوئے بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی حاجتوں کو روک کر دوسروں کی حاجت پوری کرتے ہیں۔

عقلمندوں کی صفات

ساری دنیا کے انسان عقلمند ہونے کا دعویٰ کرتے ہے، کوئی بے وقوف بھی اپنے آپ کو بے عقل تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، اس لئے قرآن کریم نے عقل والوں کی چند علامات بتائی ہیں جو درحقیقت عقل کا صحیح میعار ہیں۔ محسوسات کا علم کان، ناک، آنکھ، زبان وغیرہ سے حاصل ہوتا ہے جو بے عقل جانوروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ عقل کا کام تو یہ ہے کہ علامات، دلائل اور قرینہ سے کسی نتیجہ تک پہنچ جائے جو محسوس نہیں ہوتا ہو۔

آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور دن رات کے آگے پیچھے آنے کا جو نظام رکھا ہے جس کے مطابق دن رات آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اس میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا قادر مطلق ہے، خالق ہے، حکیم ہے۔ یہ نشانیاں ایسی ہیں کہ عقل والے ان کو دیکھتے ہیں اور ان کی پیدائش پر غور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! یہ جو کچھ آپ نے پیدا فرمایا ہے بے کار اور لایعنی نہیں ہے۔ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالینا۔ یہ لوگ کھڑے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ زبان سے اور دل سے اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کی قدرت اور حکمت کا تذکرہ کرنا یہ سب اللہ کے ذکر میں شامل ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے وہی حقیقت

میں عقل والے ہیں اور ان کے عقل مند اور عارف ہونے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ کسی حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں ہوتے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! جولوگ کسی جگہ پر بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور نبی کریم ﷺ پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لئے نقصان کا باعث ہوگی۔ اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے دے اور چاہے تو ان کی مغفرت کردے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص کسی جگہ پر لیٹا اور اس دوران اس نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو اس کا یہ لیٹنا اللہ کی طرف سے نقصان کا باعث ہوگا اور جو شخص کسی جگہ پر چلا اس نے اس چلنے کے دوران اللہ کو یاد نہ کیا یہ چلنا اس کے لئے اللہ کی طرف سے نقصان دہ ہوگا۔

(الترغیب ۴۰۹، ج ۲)

درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی عالم کی روح ہے جب تک اس دنیا میں ایک مرتبہ بھی اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی۔

(رواۃ المسلم)

آج کل بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہیں عقلمند کہا جاتا ہے ان لوگوں نے اپنے طور پر سائنس کی معلومات اور اس کے دیگر امور کا علم حاصل کرنے میں بہت محنت کی ہے لیکن ان معلومات کے ذریعہ انہوں نے خالق کائنات کو نہیں پہچانا، ان

میں سے بہت سے تو خالق کے ہی منکر ہیں اور جو لوگ اسے موجود مانتے ہیں وہ بھی اس کی تمام صفات کو نہیں مانتے، اس کی حکمتوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، اس کی قدرت کے مظاہر جاننے کے بجائے مادہ ہی کو یا طبیعات ہی کو سب کچھ مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طبیعات خود ترقی کرتے کرتے یہاں تک پہنچی ہے یہ ان لوگوں کی اپنے خالق کی معرفت سے محرومی ہے۔ انہیں اس بات کا بھی احساس نہیں ہے کہ ہمیں کیوں پیدا کیا گیا اور اس دنیا سے جانے کے بعد ہمارا کیا بنے گا اور یہ کہ ہمارے خالق نے زندگی گزارنے کا جو نظام بھیجا ہے ہمیں وہ قبول کرنا فرض ہے۔

(انوارالبیاں)

آج کی دنیا نے جس چیز کو عقل اور عقلمندی کا معیار سمجھ لیا ہے وہ محض ایک دھوکہ ہے۔ کسی نے مال و دولت سمیٹ لینے کو عقلمندی قرار دیا ہے، کسی نے مشینوں کے پرزے بنانے اور نئی نئی سائنسی ایجادات کو عقلمندی سمجھ لیا ہے لیکن عقلِ سلیم کی وہ بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء و رسل لے کر آئے کہ علم و حکمت کے ذریعہ ترقی کی جائے۔ سب سے بڑی عقلمندی یہ ہے کہ انسان اپنی تخلیق اور مقصدِ تخلیق کو سمجھے۔ اپنے خالق کی احکامات کی پابندی کرے۔

قرآن میں تدبر کی اہلیت اور تفسیر بالرائے کی قباحت

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

أَفَلاَ يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ اخْتِلاَفاً كَثِيراً O

(سورۃ النساء ۔ ۸۲)

کیا یہ قرآن پر غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی غیر کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف پاتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو قرآن میں تدبر کرنے کی دعوت دے رہا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے علم وفہم عطا فرمایا ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی فہم اور استعداد کے مطابق تدبر کرسکتا ہے اور جہاں کہیں کچھ سمجھ میں نہ آئے یا کوئی شک پیدا ہو تو اہل علم سے رجوع کرے۔ اہل علم کے درجات مختلف ہیں اور تدبر کی صورتیں بھی مختلف ہیں، معنی میں تدبر، حقائق ومعرفت کی تلاش، احکام ومسائل کی فصاحت و بلاغت کی گہرائی میں اترنا، بیان واسلوب کو دیکھنا یہ سب تدبر میں آتا ہے۔

تدبر کا یہ مطلب نہیں کہ ذرا سی عربی اور اردو پڑھے ہوئے لوگ جنہیں نہ صیغوں کی پہچان ہے، نہ علم صرف ونحو کا علم ہے، نہ اعراب لگانے کی وجہ کا پتہ ہے، نہ مشتق ومشتق منہُ کی خبر، نہ حروف اصلیہ اور زائدہ کا علم ہو، ان جیسے لوگ قرآن پر

تدبر کرنے لگیں اوراپنے آپ کوعلماء کے برابر سمجھ کر جواپنی سمجھ میں آئے اسی کوقرآن کا مطلب بتانے لگیں اگرایسا ہوتو یہ ان کی جہالت ہوگی۔

لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پر مولویوں کی ہی اجارہ داری کیوں ہے ہم اہل فہم ہیں اوراہل علم ہیں ہم بھی قرآن کا مطلب بتا دیتے ہیں، ان میں سے بعض جاہلوں نے درمیان میں سے رسول اللہ ﷺ کو ہی نکال دیا ہے اور کہتے ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس بھیجا ہے ہم خود اس کو زمانے کے حالات کے مطابق سمجھ لیں گے اس میں رسول اللہ ﷺ کے بیان کی ضرورت نہیں۔ (العیاذ اللہ)

رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا کلام (قرآن کریم) ہم تک پہنچانے کی ذمہ داری دی گئی تھی وہ انہوں نے بحسن خوبی ادا کردی۔ جو قرآن لانے والے سے قرآن نہیں سمجھے گا اور قرآن لانے والے کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کو درمیان سے نکال دے گا وہ تفسیر بالرائے کرے گا۔ تفسیر بالرائے گمراہی ہے۔ بہت سے لوگ علم کے بغیر قرآن کی تفسیر بیان کرنے اور لکھنے بیٹھ جاتے ہیں وہ خود تو گمراہ ہوتے ہی ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس شخص نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا وہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔ اور حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

جس نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کچھ کہا اور ٹھیک کہا تب بھی اس نے غلط کام کیا۔ (رواۃ ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنا ممنوع ہے، اگر کوئی بات ٹھیک بھی کہہ دی تب بھی خطا کی کیونکہ جو منصب اس کا نہیں تھا اس نے اسے اختیار کرلیا۔ جب قرآن میں تدبر کریں تو پہلے تدبر کے قابل بنیں۔

رہی یہ بات کہ قرآن پر مولویوں کی اجارہ داری کیوں ہے تو یہ جاہلانہ سوال ہے۔ جب علاج کرنے پر ڈاکٹروں کا قبضہ ہے، قانون سازی پر قانون دانوں کا قبضہ ہے، انجینئرنگ کے کاموں پر انجینئروں کا قبضہ ہے، تو قرآن کے معانی اور مفہوم بتانے کے لئے قرآن کے عالم کا قبضہ کیوں نہیں ہوسکتا۔ اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن حکیم کو تو آسان کر دیا ہے پھر اس کا تدبر اور سمجھنا آسان کیوں نہیں ہے۔ اس وسوسے کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن آسان ہے مگر اصول وقواعد کے ساتھ آسان ہے۔ کوئی بھی آسان چیز اپنے اصول وقواعد کے بغیر آسان نہیں ہوتی۔ قرآن آسان ہے مگر عربی میں ہے اور عربی سمجھنے کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے اس کے بغیر قرآن کو سمجھنے کا ارادہ کرنا ایسا ہے جیسے ایک ماہر انجینئر کسی کے کا دل کا آپریشن کردے۔ قرآن مجید کے اوامر ونواہی کا سمجھ لینا اور حرام حلال جان لینا تو اس قدر آسان ہے کہ جس نے قرآن نہیں بھی پڑھا ہو اور اس کے سامنے بیان کر دئے جائیں تو وہ بھی سمجھ لے گا۔ لیکن اول سے آخر

تک پورے قرآن مجید کی تفسیر جاننا اوراس کے معارف اور مسائل کا استخراج کرنا، مجمل ومبہم کا تعین کرنا، مشترک الفاظ کے معنی میں سے کسی ایک کو سیاق وسباق کے مطابق طے کرنا اس کے لئے متعلقہ تمام علوم کا ماہر ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اس زمانے کے جہلاء اپنی طرف سے قرآن کا مطلب بتانے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے اور جن کی عمریں قرآن فہمی میں ختم ہوگئیں وہ لب کھولتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے کسی نے ایک آیت کی تفسیر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو پوچھنے والے نے کیا کے آپؓ اس کی تفسیر نہیں جانتے۔ صدیق اکبر ؓ نے فرمایا کہ اگر میں اپنی طرف سے کوئی بات کہہ دوں تو کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اگر میں کتاب کے بارے میں وہ بات کہہ دوں جس کا مجھے علم نہیں۔

جہاد کی اہمیت

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَن تُحِبُّوا شَيْئاً وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ O

(سورۃ البقرہ ۔ ۲۱۶)

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور یہ تمہیں گراں معلوم ہوتا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں بری معلوم ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ جو چیز تمہیں پسند ہو وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور (اصل حقیقت) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ O

(سورۃ التوبہ ۔ ۳۶)

اور تم سب مل کر مشرکوں سے قتال کرو جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

انْفِرُواْ خِفَافاً وَثِقَالاً وَجَاهِدُواْ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ O

(سورۃ التوبہ ۔ ۴۱)

نکل پڑو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھتے ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

إِنَّ اللّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْداً عَلَيْهِ حَقّاً فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللّهِ فَاسْتَبْشِرُواْ بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ O

(سورۃ التوبہ ۔ ۱۱۱)

بلاشبہ اللہ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا، وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں، وہ قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذمہ ایک سچا وعدہ ہے جو توریت اور انجیل اور قرآن میں ہے۔ اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہے۔ سو تم اپنے اس سودے پر جو تم نے کیا ہے خوشی مناؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

لَّا يَسْتَوِى الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُوْلِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ عَلَى الْقَاعِدِيْنَ أَجْراً عَظِيْماً O

(سورۃ النساء ۔ ۹۵)

جولوگ بغیر عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں وہ ان مجاہدین کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں، اللہ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے مگر جہاد کرنے والوں کو (گھر) بیٹھے رہنے والوں پر اجر عظیم کے اعتبار سے فضیلت دی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنجِيْكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيْمٍ O تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِى سَبِيْلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ O يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○
وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ○

(سورۃ الصّف: ۱۳ ۔ ۱۰)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ تم اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں رکھے گا ہمیشہ کے باغوں میں، یہ بڑی کامیابی ہے۔ ایک اور چیز بھی دے گا جسے تم پسند کرتے ہو۔ وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے اور مومنوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حج مبرور۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کے راستے میں ایک صبح یا ایک شام گزارنا، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ کے راستے میں ایک دن سرحدی محاذ پر پہرا دینا، دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے اور جنت میں کسی ایک کے کوڑے جتنی جگہ کا مل جانا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت سلمان ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ سرحد پر ایک رات اور دن کا پہرا دینا ایک مہینے کے روزے رکھنے اور اور اس کی شب بیداری سے بہتر ہے۔ اور اگر اس حال میں اس کو موت آ گئی تو اس کا یہ نیک عمل جاری رہے گا اور جو وہ کرتا تھا اور اس پر اس کی جنت کی روزی جاری رہے گی۔ اور وہ آزمائش میں ڈالے جانے سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں! وہ زخم خوردہ جو اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے قیامت کے روز اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہتا ہوگا، اس کا رنگ خون کا رنگ ہوگا اور اس کی مہک کستوری کی مہک ہوگی۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں! جنت میں سو درجہ ہیں، جو اللہ نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں۔ دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔

(صحیح بخاری)

حضرت عبدالرحمٰن بن جبر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی بندے کے قدم اللہ کی راہ (جہاد) میں غبار آلود ہوں اور پھر انہیں جہنم کی آگ بھی چھوئے۔ (صحیح بخاری)

حضرت زید بن خالد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
جس نے کسی غازی کو اللہ کی راہ میں تیار کیا (اسے جہاد کا ساز و سامان دیا) تو یقیناً اس نے خود جہاد کیا۔ اور جس نے کسی مجاہد کی اس کے گھر میں بھلائی کے ساتھ دیکھ بھال کی اس نے بھی یقیناً جہاد کیا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت کہ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
کوئی جنت میں جانے والا شخص ایسا نہیں ہے جو دنیا میں لوٹنے کو پسند کرے گا اور یہ کہ اس کے لئے زمین میں کوئی چیز ہو سوائے شہید کے۔ وہ آرزو کرے گا کہ وہ دوبارہ دنیا میں آئے اور دس مرتبہ شہید کیا جائے۔ کیونکہ (شہادت کی وجہ سے ملنے والی) بزرگی کو وہ دیکھے گا۔ (صحیح بخاری و مسلم)

حضرت سہل بن حنیف ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی دعا مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کے درجہ پر پہنچا دے گا، اگرچہ اسے موت اپنے بستر پر ہی آئے۔ (صحیح مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!
جس نے تیر اندازی کا فن سیکھا پھر اس نے اس کو چھوڑ دیا (یعنی بھول گیا) وہ ہم میں سے نہیں یا فرمایا کہ اس نے یقیناً نافرمانی کی۔ (صحیح مسلم)

حضرت عقبہ بن عامر ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ ایک تیر کی وجہ سے تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اس کے بنانے والے کو جو بنانے میں بھلائی کی نیت رکھے، تیر انداز کو اور ترکش سے تیر نکال نکال کر دینے والے کو۔ تم تیر اندازی اور سواری کا فن سیکھو اور مجھے تمہارا تیر اندازی کا سیکھنا، تمہاری سواری کے سیکھنے سے زیادہ محبوب ہے اور جس نے بے رغبتی کی وجہ سے تیر اندازی کا فن سکھائے جانے کے بعد چھوڑ دیا تو اس نے ایک حاصل شدہ نعمت کو چھوڑ دیا یا فرمایا اس نے نعمت کی ناشکری کی۔

(سنن ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص اس حالت میں فوت ہوا کہ اس نے جہاد کیا اور نہ اس کے نفس نے جہاد کے بارے میں سوچا تو اس کی موت نفاق کی ایک خصلت پر ہوگی۔ (صحیح مسلم)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں جہاد کی اہمیت پر بہت زور دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ تبوک میں شرکت کرنے کا عام اعلان فرمایا تھا کہ تمام مسلمان اس میں شریک ہوں۔ اس حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں تھی۔ جو لوگ خلاف ورزی میں مبتلا ہوئے ان میں زیادہ تر منافقین تھے اور کچھ مومن بھی تھے جو وقتی کاہلی اور سستی کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی۔ جہاد عام حالات میں فرض کفایہ ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں کی کچھ جماعت اگر جہاد میں مشغول ہو تو

باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر جہاد میں شریک ہونے والی جماعت کافی نہ ہو اور مغلوب ہونے لگے تو آس پاس کے مسلمانوں کو ان کی مدد کے لئے نکلنا اور جہاد میں شریک ہونا فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی کافی نہ ہوں تو ریاست کے دوسرے علاقوں سے یہاں تک کہ سارے عالم کے مسلمانوں پر ایسی حالت میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے اور اس سے انکار حرام ہو جاتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا امیر اس بات کا اعلان کرے اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دے۔

عام حالات میں جہاد کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے اجتماعی مسائل اور مہمات ہیں جو جہاد کی طرح فرض کفایہ ہیں۔ ان کے لئے بھی مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو موجود رہنا ضروری ہیں تاکہ سب ضروری کام ساتھ ساتھ چلتے رہیں اور اجتماعی فرائض بھی ادا ہوتے رہیں۔ مسلمان مردوں پر نماز جنازہ اور میت کی تجہیز و تکفین، مساجد کی تعمیر اور نگرانی، جہاد، اسلامی سرحدوں کی حفاظت، دینی تعلیم و تربیت۔ یہ سب فرض کفایہ ہیں۔ ان کی ذمہ داری پورے عالم کے مسلمانوں پر ہے۔ اگر کچھ لوگ بقدر ضرورت یہ فرض ادا کر رہے ہوں تو باقی مسلمان اس فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

(تفسیر معارف القران)

علم حاصل کرنا فرض ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ وَقُل رَّبِّ زِدْنِی عِلْما ﴾

(سورۃ طٰہٰ ۔ ۱۱۴)

اے پیغمبر (ﷺ) فرما دیجئے! اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ O

(سورۃ الزمر ۔ ۹)

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟
بے شک اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيْرٌ O

(سورۃ المجادلہ ۔ ۱۱)

اور جن لوگوں کو علم دیا گا ہے ان کے درجات بلند کر دے گا اور
اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے!

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ﴾

(سورۃ فاطر ۔ ۲۸)

بے شک اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی المرتضٰی ؓ سے فرمایا! اللہ کی قسم! تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کا ہدایت دے دینا تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو ہدایت کی طرف بلائے گا اس کو ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو ہدایت کی پیروی کریں گے اور یہ پیروی کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔

(صحیح مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ بیان کرتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی کو تر و تازہ رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور پھر اسے اسی طرح دوسروں تک پہنچا دے جس طرح اس نے سنا۔ اس لئے بہت سے ایسے لوگ جن کو بات پہنچائی جائے، سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (جامع ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جو شخص وہ علم جس سے اللہ کی رضا مندی طلب کی جاتی ہے اس لئے حاصل کرے گا کہ اس کے ذریعہ سے دنیا کا ساز وسامان حاصل کیا جائے تو وہ قیامت کے روز جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ (سنن ابوداؤد)

امام ترمذیؒ نے حضرت ابو درداءؓ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص کسی راستے پر چلے جس کا مقصد علم حاصل کرنا ہو تو اللہ تعالیٰ اس چلنے کے ثواب میں اس کا راستہ جنت کی طرف کر دیں گے۔ اور یہ کہ اللہ کے فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پَر بچھاتے ہیں۔ عالم کے لئے تمام آسمانوں اور زمین کی مخلوق اور پانی کی مچھلیاں دعا واستغفار کرتی ہیں۔ ایک عالم کی فضیلت کثرت سے نفلی عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت باقی سب ستاروں پر ہے۔ علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ انبیاء کرام سونے چاندی کی کوئی میراث نہیں چھوڑتے لیکن علم کی وراثت چھوڑتے ہیں۔ جس شخص نے یہ علم کی وراثت حاصل کر لی اس نے بہت بڑی دولت حاصل کر لی۔ (قرطبی)

دارمی میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی شخص نے دریافت فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے ایک عالم تھا جو صرف نماز پڑھ لیتا اور لوگوں کو دین کی تعلیم دینے میں مشغول ہو جاتا۔ دوسرا دن بھر روزہ رکھتا اور رات کو

عبادت میں کھڑا رہتا۔ ان دونوں میں کون افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس عالم کی فضیلت اس عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ (قرطبی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! ایک فقیہ شیطان کے مقابلہ میں ایک ہزار عبادت گذاروں سے زیادہ قوی ہے۔ (جامع ترمذی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل ایسے ہیں جس کا ثواب انسان کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ یعنی مسجد یا دینی تعلیم کی عمارت بنوانا، رفاۃ عام کے ادارے بنانا۔ دوسرے وہ علم جس سے اس کے بعد بھی لوگ نفع اٹھاتے رہیں۔ مثلاً ایسے عالم جن کے شاگرد ان کے مرنے کے بعد بھی دین کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھیں اور ایسی کوئی کتاب اور تصنیف جس سے اس کے بعد بھی لوگ فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ تیسرے صالح اولاد جو اس کے لئے دعا اور ایصالِ ثواب کرتی رہے۔

اہل تقویٰ کا آخرت میں انعام

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيْرٍ مِّن ذَٰلِكُمْ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ(15) الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (16)الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنفِقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (17)

(سورۃ آل عمران: ۱۷ ۔ ۱۵)

(اے پیغمبر) ان سے کہو کہ بھلا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو (سنو) جو لوگ پرہیزگار ہیں اُن کیلئے اللہ کے ہاں باغات (جنت) ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور (سب سے بڑھ کر) اللہ کی خوشنودی۔ اور اللہ تعالیٰ (اپنے نیک) بندوں کو دیکھ رہا ہے۔۱۵۔ جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہم ایمان لے آئے پس ہمیں ہمارے گناہ معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔۱۶۔ یہ وہ لوگ ہیں جو (مشکلات میں) صبر کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں اور عبادت میں لگے رہتے ہیں اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے اور اوقاتِ سحر میں گناہوں کی معافی مانگا کرتے ہیں۔۱۷

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دنیاوی چیزوں سے بہتر وہ چیزیں ہیں جو آخرت میں نصیب ہوں گی۔ لیکن وہ ہر شخص کو نہیں ملیں گی وہ صرف اہل تقویٰ کو نصیب ہوں گی۔ سب سے بڑا تقویٰ تو یہ ہے کہ انسان کفر و شرک سے بچے اور ایمان قبول کرے۔ ایمان کے بغیر کوئی اچھا عمل بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد تقویٰ کے درجات ہیں۔ گناہ کبیرہ سے بچنا یہ بھی تقویٰ ہے اور متشابہات سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔ متقی بندوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اس کے رب کے پاس انہیں ایسے باغ ملیں گے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کو نیک اور پاکیزہ بیویاں ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راضی ہوگا۔ اللہ کی رضا ہر نعمت سے افضل ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ جنت والوں سے فرمائیں گے۔ اے جنت والو! وہ عرض کریں گے۔ اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں اور تعمیل ارشاد کے لئے موجود ہیں۔ پوری کی پوری خیر آپ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے! کیا تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کیسے راضی نہ ہوں گے۔ آپ نے ہمیں وہ کچھ عطا فرمایا ہے جو اس سے پہلے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا میں تم کو اس سے افضل چیز عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے کہ اے پروردگار! اس سے افضل چیز کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں تم پر اپنی رضا مندی نازل کرتا

ہوں۔ اب اس کے بعد کبھی بھی تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔

(بخاری و مسلم)

اہل تقویٰ کو اپنے رب کے پاس جو نعمتیں ملیں گی ان میں سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا ہے۔

صالحین کون ہیں

" صالح " صلاح سے مشتق ہے جو گناہوں سے بچتا ہو اور نیکیوں سے آراستہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہو وہ صالح ہے۔ اس کے بہت سے درجات اور مراتب ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سب سے اونچے درجہ کے صالحین ہیں کیونکہ وہ معصوم تھے اور ان کے بعد دوسرے صالحین کے درجات ہیں۔
حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا

(وَأَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ)

(سورۃ النمل ۔ ۱۹)

اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کر لے

اور سورۃ انبیاء میں متعدد حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا!

(وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُم مِّنَ الصَّالِحِينَ)

(سورۃ الانبیاء ۔ ۸۶)

اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر دیا بے شک وہ صالحین میں سے تھے۔

اس بات سے معلوم ہوا کہ صالحیت بہت بڑی بلکہ اہل خیر کی مرکزی صفت ہے۔ صالح ہونا بہت بڑی چیز ہے۔

جو شخص اس طرح سے رات گذارتا ہے کہ اللہ کی عبادت میں لگا رہتا ہے کبھی سجدہ میں ہے کبھی کھڑا ہوا ہے جو آخرت کی پکڑ سے ڈرتا ہے اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے۔ کیا یہ شخص اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو کافر ہو اور گناہ کے کاموں میں لگا رہتا ہے۔ مومن صالح اور فاسق برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ اہل علم ہیں جن کے علم نے انہیں ایمان کی روشنی دکھائی۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول کیا اور عبادت میں لگے۔ جو لوگ جاہل ہیں اور اللہ کی توحید کو نہیں جانتے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ نہ جہل علم کے برابر ہے اور نہ جاہل عالم کے برابر ہے۔ جب قیامت کے دن حاضر ہوں گے تو اہل علم لوگ جنت میں اور اہل کفر دوزخ میں بھیج دئے جائیں گے۔

جن لوگوں میں عقل نہیں ہے وہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ قرآن سنتے ہیں لیکن قرآن کی دعوت اور اس کی تعلیمات پر ایمان نہیں لاتے۔ بے شمار لوگ

ایسے ہیں جو دنیاوی کاموں میں بہت آگے آگے ہیں لیکن کافر ومشرک ہیں۔ اپنے خالق کونہیں پہچانتے۔ بہت سے لوگ تو خالق تعالیٰ شانہ کے وجود کو ہی نہیں مانتے اور جو مانتے ہیں وہ اس میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ اس کے لئے اولاد بھی تجویز کرتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ یہ عقل مندی بے کار ہے ایسے لوگوں کا صالحین میں کبھی شمار نہیں ہوسکتا۔

عبادالرحمان کی صفات اوران کے اخلاق واعمال

وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِيْنَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلاماً (63)وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً وَقِيَاماً (64)وَالَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَاماً (65)إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً (66)وَالَّذِيْنَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَاماً (67) وَالَّذِيْنَ لا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهاً آخَرَ وَلا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلا يَزْنُونَ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَاماً (68)يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَاناً (69)إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيْماً (70)وَمَن تَابَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَاباً (71) وَالَّذِيْنَ لا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً (72) وَالَّذِيْنَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمّاً وَعُمْيَاناً (73)وَالَّذِيْنَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَاماً (74)أُوْلَئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا

صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلاماً (75)خَالِدِينَ فِيهَا حَسُنَتْ مُسْتَقَرّاً وَمُقَاماً (76)قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَاماً (77)

(سورۃ الفرقان: ۷۷ ۔ ۶۳)

اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں ۔۶۳۔ اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں ۔۶۴۔ اور وہ جو دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دُور رکھنا کہ اُس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے ۔۶۵۔ اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے ۔۶۶۔ اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کیساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم ۔۶۷۔ اور وہ جو اللہ کیساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے اور جن جاندار کا مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اُس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی حکمِ شریعت کے مطابق) اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا ۔۶۸۔ قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہوگا اور ذلت اور خواری سے اس میں ہمیشہ رہے گا ۔۶۹۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے ۔۷۰۔ اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے ۔۷۱۔ اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے

اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہوتو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں۔۷۲۔ اور وہ کہ جب ان کو رب کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہوکرنہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)۔۷۳۔ اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے (دل کا چین) اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔۷۴۔ ان (صفات کے) لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا وسلام کیساتھ ملاقات کریں گے ۔۷۵۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے ۔۷۶۔ (اے میرے محبوب) کہہ دو کہ اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا رب بھی تمہاری کچھ پرواہ نہیں کرتا تم نے تکذیب کی ہے سو اس کی سزا (تمہارے لئے) لازم ہوگی۔۷۷۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں اور انہیں عبادالرحمان کا معزز لقب دیا ہے۔

ان حضرات کی جو صفات کا ذکر کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

پہلی صفت:

انہیں رحمان کا بندہ بتایا ہے اور یہ بہت بڑی صفت ہے اور بہت بڑا لقب ہے۔ یوں تو تکوینی طور پر ہم سب رحمان کے بندے ہیں لیکن اپنے اعتقاد اور اختیار

سے اخلاق سے جس نے اپنی ذات کو سچے اعتقاد و اخلاص کے ساتھ رحمان کی عبادت میں لگا دیا اور رحمان نے اس کے بارے میں یہ فرما دیا کہ یہ ہمارا بندہ ہے اس سے بڑھ کر بندے کے لئے کوئی اعزاز نہیں۔ یہ بندے کے لئے سب سے معزز لقب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا!

﴿ سُبُحَانَ الَّذِیُ أَسُرَی بِعَبُدِهِ لَیُلاً مِّنَ
الُمَسُجِدِ الُحَرَامِ إِلَی الُمَسُجِدِ الأَقُصَی ﴾

(سورۃ بنی اسرائیل ۔ ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو راتوں رات
مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی۔

یہ شان عبدیت ہی بندے کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتی ہے اور آخرت میں بلند درجات نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔

دوسری صفت:

یہ زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں یعنی غرور و تکبر کے ساتھ اکڑتے ہوئے نہیں چلتے۔ سورۃ الاسریٰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے!

وَلاَ تَمُشِ فِیُ الأَرُضِ مَرَحاً إِنَّکَ لَن تَخُرِقَ الأَرُضَ
وَلَن تَبُلُغَ الُجِبَالَ طُولاً O

(سورۃ الاسراء ۔ ۳۷)

اور زمین پر اکڑتا ہوا مت چل بیشک تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پہاڑوں کی لمبائی کو نہیں پہنچ سکتا۔

جب کسی شخص میں تواضع کی شان ہوتی ہے اور تکبر کے مرض میں مبتلا نہیں ہوتا تو وہ اپنی رفتار میں عاجزی اختیار کرتا ہے۔

تیسری صفت:

جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ ان سے الجھتے نہیں۔ نہ انہیں جواب دیتے ہیں اور نہ ان سے جھگڑا کرتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا کہ جب یہ لوگ بے ہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ یعنی شریر اور کمینے مزاج لوگ شریفوں کو تکلیف دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، زبان سے تکلیف دینا ان کی شان میں بُرے الفاظ کہنا، طعنے دینا، اشاروں اور کنایوں سے ان کی برائی کرنا اس سے نہیں چوکتے۔ یہ لوگ بے ہودہ کاموں میں لگے رہتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کے بندے ان کے پاس سے گذرتے ہیں تو ان کی طرف دیکھتے بھی نہیں، شرافت کے ساتھ آنکھیں نیچی کیئے گذر جاتے ہیں۔ اگر کسی نے زبردستی چھیڑ ہی دیا تو یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ ہمارا سلام ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے جواب دیا تو ان منہ پھٹ لوگوں کے درمیان آبرو محفوظ نہیں رہے گی۔

چوتھی صفت:

وہ اس طرح رات گذارتے ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ کبھی سجدہ میں ہیں کبھی قیام میں ہیں۔ ان کو عبادت کا شوق زیادہ آرام نہیں کرنے دیتا۔ یہ لوگ رات کو کم سوتے ہیں اور سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔

پانچویں صفت:

وہ دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں اور یوں دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم پر سے دوزخ کا عذاب ہٹائے رکھنا کیونکہ ان کا عذاب بالکل تباہ کردینے والا ہے۔ اس سے اہل کفر کا عذاب مراد ہے۔ بے شک دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کا بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بری جگہ سے محفوظ فرمائے۔ (امین)۔ یہ مخلصین، مومنین اور قانتین کا طریقہ ہے کہ وہ عبادت بھی خوب کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے بھی رہتے ہیں اور عذاب سے بچنے کی دعائیں بھی کرتے رہتے ہیں۔ نیک عمل کرکے بےفکر ہوجانا مومن کی شان نہیں۔ وہ ڈرتا رہتا ہے کہ میرے نیک عمل قبول بھی ہوئے یا نہیں۔

چھٹی صفت:

جب رحمان کے بندے خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف اور فضول خرچی

کرتے ہیں اور نہ کنجوسی اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ درمیانی راہ چلتے ہیں۔ کیونکہ ان میں دونوں جانب استقامت رہتی ہے۔ گناہ کے کاموں میں تو مال خرچ کرنا ہی جائز نہیں ہے۔ حلال کاموں میں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خرچہ میں میانہ روی اختیار کرنے میں معیشت کا آدھا انتظام ہے۔ یعنی کمانے اور محنت کرنے میں معیشت کا آدھا انتظام ہے اور آدھا انتظام میانہ روی سے خرچ کرنے میں ہے۔ اپنی ذات پر، اپنے آل اولاد پر، والدین اقرباء پر خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے۔ ہاں جن کا توکل بہت بڑھا ہوا ہے نیکیوں میں بیک وقت پورا یا آدھا مال خرچ کرنے میں ان کی اپنی ذات کو بھی تکلیف محسوس نہ ہو تو ایسے حضرات اللہ کی راہ میں پورا مال بھی خرچ کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے غزوہ تبوک میں اپنے گھر کا پورا مال رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے لئے پیش کر دیا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح)

ساتوں صفت:

وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے۔ یعنی وہ شرک نہیں کرتے خالص توحید اختیار کرتے ہیں۔

آٹھویں صفت:

کسی جان کو قتل نہیں کرتے جس کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

ہاں اگر قتل بالحق ہے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ہے۔ مثلاً کسی کو قصاص میں قتل کیا جائے، یا زانی کو رجم کرنا پڑے۔

نویں صفت:

وہ زنا نہیں کرتے۔ جو ایسا کام کرے گا اس کا واسطہ بڑی سزا سے پڑے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ! سب سے بڑا گناہ اللہ کے نزدیک کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تو کسی کو اللہ کے برابر سمجھے حالانکہ اللہ نے تجھے پیدا کیا۔ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے (تنگدستی کے خوف سے اولاد کو قتل کرنا)۔ سائل نے کہا کہ اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔

(رواۃ البخاری)

دسویں صفت:

یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹ کے کاموں میں حاضر نہیں ہوتے۔ یعنی جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہوں۔ مشرکین کی عبادتوں میں، ان کے تہواروں میں،

ان کے میلوں میں نہیں جاتے۔ جہاں گانا بجانا ہو رہا ہو، ناچ رنگ کی محفل ہو، شراب پینے پلانے کی مجلس ہو، ان سب موقعوں پر اللہ کے بندے نہیں جاتے۔ اگرچہ اپنے عمل سے گناہ میں شریک نہ ہوں لیکن اگر وہ اپنے جسم سے حاضر ہو گئے تو اہل باطل کی مجلس میں اپنی ذات سے ایک شخص کا اضافہ کر دیا۔ جبکہ برائی کی مجلس میں اضافہ کرنا بھی ممنوع ہے۔ دوسرے ان مجالس میں شریک ہونے سے دل میں سیاہی اور سختی آ جاتی ہے اور نیکیوں کی طرف جو دل کا ابھار ہوتا ہے اس میں کمی آتی ہے۔ اگر بار بار ایسی مجالس میں حاضر ہو تو نیکیوں کی رغبت ختم ہو جاتی ہے اور نفس برائیوں سے مانوس ہوتا چلا جاتا ہے۔ شادی بیاہ میں آجکل بڑے بڑے منکرات ہوتے ہیں۔ ان منکرات سے بچنا چاہئے اور اپنے نفس و روح کی حفاظت کرنی چاہئے۔

گیارویں صفت:

اور جب بیہودہ کاموں کے پاس سے گذرتے ہیں تو شرافت کے ساتھ گذر جاتے ہیں۔ یعنی برائی کی مجلس میں شریک ہونا تو درکنار، اگر کبھی لغو اور بے ہودہ مجلس میں اتفاق سے ان کا گذر ہو جائے تو کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جو وہاں کھڑا ہو گیا گویا وہ بھی شریک ہو گیا اور اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی شریر آدمی مجلس میں اندر بلانے لگے یا بلا وجہ کسی بات پر الجھ پڑے۔

بارھویں صفت:

ان بندوں کی شان یہ ہے کہ جب انہیں ان کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے یعنی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اوراس کے تقاضے پورے کرنے کو کہا جاتا ہےتو ان پر گونگے بہرے ہوکر نہیں گر پڑتے۔ مطلب یہ ہے کہ ان آیات پر اچھی طرح متوجہ ہوتے ہیں، ان کو سمجھنے اور حکم کے تقاضوں کو جاننے کے لئے اپنا دل و دماغ استعمال کرتے ہیں۔ ایسا طرزِ عمل اختیار نہیں کرتے کہ جیسے سنا ہی نہیں یا دیکھا ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے معانی اور مفہوم کو اچھی طرح سمجھا جائے اور ان کے تقاضوں پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ یہی اہل ایمان کی شان ہے۔

تیرھویں صفت:

وہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور ہماری اولادوں کی طرف سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرما۔ یعنی انہیں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے۔ یعنی بیویاں اور بچے سکھ و آرام سے رہیں، فرمانبردار بھی ہوں اور نیک بھی ہوں، دیندار بھی ہوں اور انہیں دیکھ کر دل خوش ہو۔

جو نیک بندے ہوتے ہیں انہیں اپنی ازواج واولاد کی دینداری کی بھی فکر ہوتی ہے۔ وہ جہاں ان کے کھانے پینے کی فکر کرتے ہیں، وہاں ان کو دین سکھانے اور دین کی تربیت کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ اگر بیوی بچے جسمانی اعتبار

سے صحت مند ہوں اور انہیں کھانے پینے کو خوب ملتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کے نافرمان ہوں تو آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں بنتے بلکہ وبال بن جاتے ہیں۔ جب اولاد کو دین پر ڈالیں گے اور انہیں متقی بنائیں گے اور زندگی بھر انہیں دین پر چلاتے رہیں گے تو ظاہر ہے اسی طرح متقیوں کے امام اور پیشوا بنیں گے۔

کوئی شخص متقیوں کا امام اسی طرح بن سکتا ہے جبکہ وہ خود بھی متقی ہو صرف اولاد کے متقی ہونے سے انسان خود متقی نہیں بن جاتا۔ خود بھی تقویٰ کے تمام تقاضوں کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ تقویٰ کے ساتھ دینی پیشوا بننے کی خواہش رکھنا اور اس کے لئے دعا کرنا شرعاً منع نہیں ہے اور نہ بری چیز ہے بس اس سے نفس میں تکبر پیدا نہیں ہونا چاہئے۔

مومن مردوں اور عورتوں کی صفات اور ان کیلئے اجر عظیم کا وعدہ

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيراً وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً O

(سورۃ الاحزاب ۔ ۳۵)

(جو لوگ اللہ کے آگے سر اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور متقی مرد اور متقی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کیلئے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

دُرُود تنجینا

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاِخْوَانِہٖ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعِ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّاٰتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَآ اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ ط اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ✦

یا قاضی الحاجات   یا مجیب الدعواۃ

یا شافی الامراض   یا دافع البلیّات

یا حل المشکلات   یا کافی المہمّات

یا رافع الدرجات   یا ارحم الرّٰحمین

(آمین)

ترجمہ! اے اللہ! ہمارے سرداراور آقا حضرت محمد ﷺ اوران کی آل اوراصحابؓ اور پیغمبروں پردرود بھیج اوراس کے ذریعے تو ہمیں تمام خوف وہراس اور مصیبتوں سے نجات دیدے ہماری سب حاجتوں کو پورا فرمادے اور ہمیں تمام گناہوں سے پاک وصاف کردے ہمیں اپنے نزدیک اعلیٰ سے اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمادے اور ہمیں زندگی میں اورموت کے بعد تمام بھلائیوں سے نواز دے۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

دعا برائے حفاظت

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْاِیْمَانَ وَزَیِّنْہُ فِیْ قُلُوْبِنَا
وَکَرِّہْ اِلَیْنَا الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ
وَاجْعَلْنَا مِنَ الرَّاشِدِیْنَ.
اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ
غَیْرَ خَزَایَا وَلَا مَفْتُوْنِیْنَ

☆☆☆

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سکندر نقشبندی صاحب کی تصانیف

1- سیرتِ رسول اعظم ﷺ (ماہ وسال کے آئینہ میں)

2- ثانی اثنین ۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ

3- سیرتِ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰؓ

4- دل کی اقسام (قرآن کی روشنی میں)

5- نفس کا بیان

6- بشر و شجر

7- تصوف (قرآن وسنتِ رسول کریم ﷺ کی روشنی میں)

8- غفلت اور جہالت

9- اخلاقِ مومن

10 سیرتِ امامِ اعظم ۔ ابوحنیفہؒ (حضرت نعمان بن ثابتؒ)

11 نفاق

12 ائمہ حدیث کے مختصر حالات

13 اولیاءکرام کے ایمان افروز واقعات وحالات

14,15 تاریخ اسلام کی عظیم خواتین (جلداول) (جلددوم)

16 امتِ مسلمہ کی شہداء خواتین

17 عظیم مسلمان مائیں

18 خانوادۂ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ

19 سیرت سیدنا امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

20 دجال ۔ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

21- Biography of The Greatest Prophet ((ﷺ)
(According to the Calendar)
22- Al-Siddique (Syedna Abu Bakr Siddique RA)
23- Seerat Amirul Mominin Syedna Ali Al-Murtaza (RA)
24- HEARTS - In the light of Quran
25- What is Soul (Nafs)
26- Historical Trees of Islam
27- Hypocrisy
28- Muslim Protocols
29- Carelessness and Ignorance
30- Great Women in Islamic History (Vol - 1)
31- Great Women in Islamic History (Vol - 2)
32- Biogrophies of Muhadeseen
33- Boigraphy of Imam-e-Azam (Hazrat Abu Hanifa (ra)
34- Seerat Syedna Amir Muawiyah (RA)
35- Dajjal - Imam Mehdi - Hazrat Esa (AS)
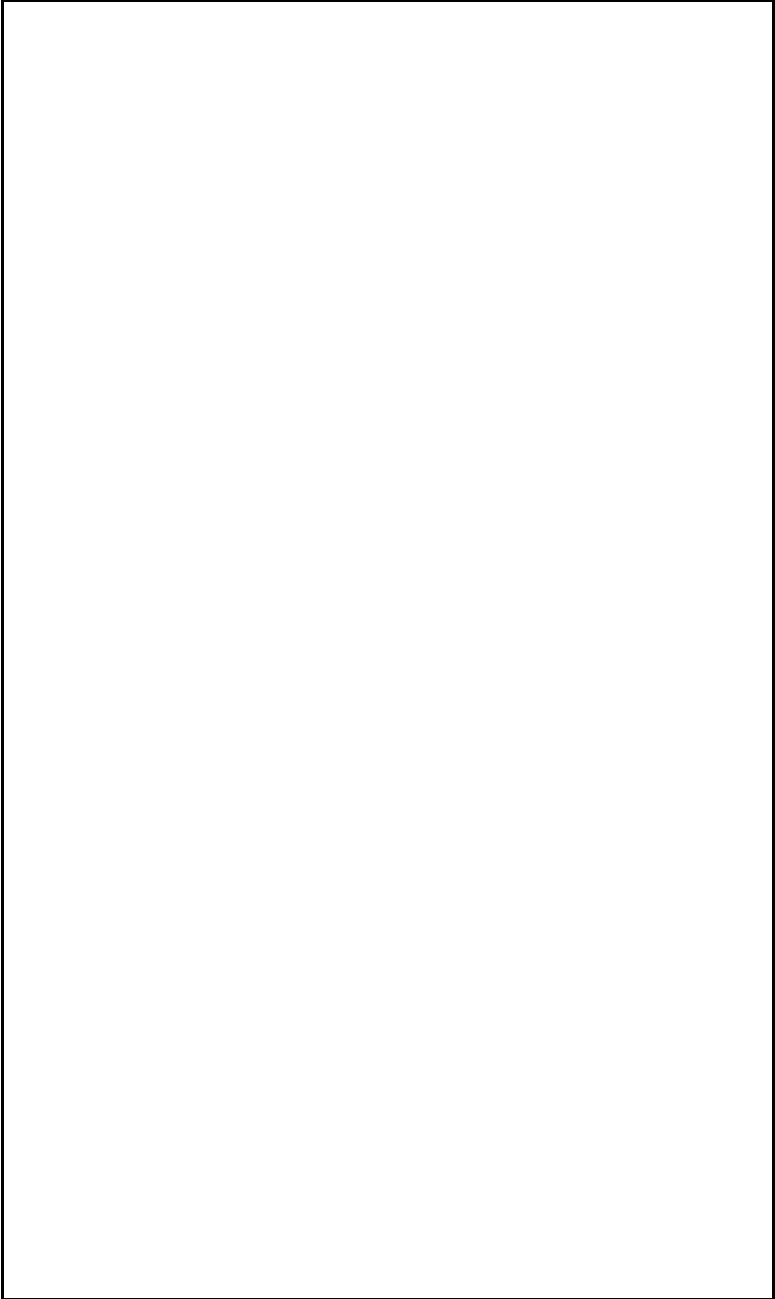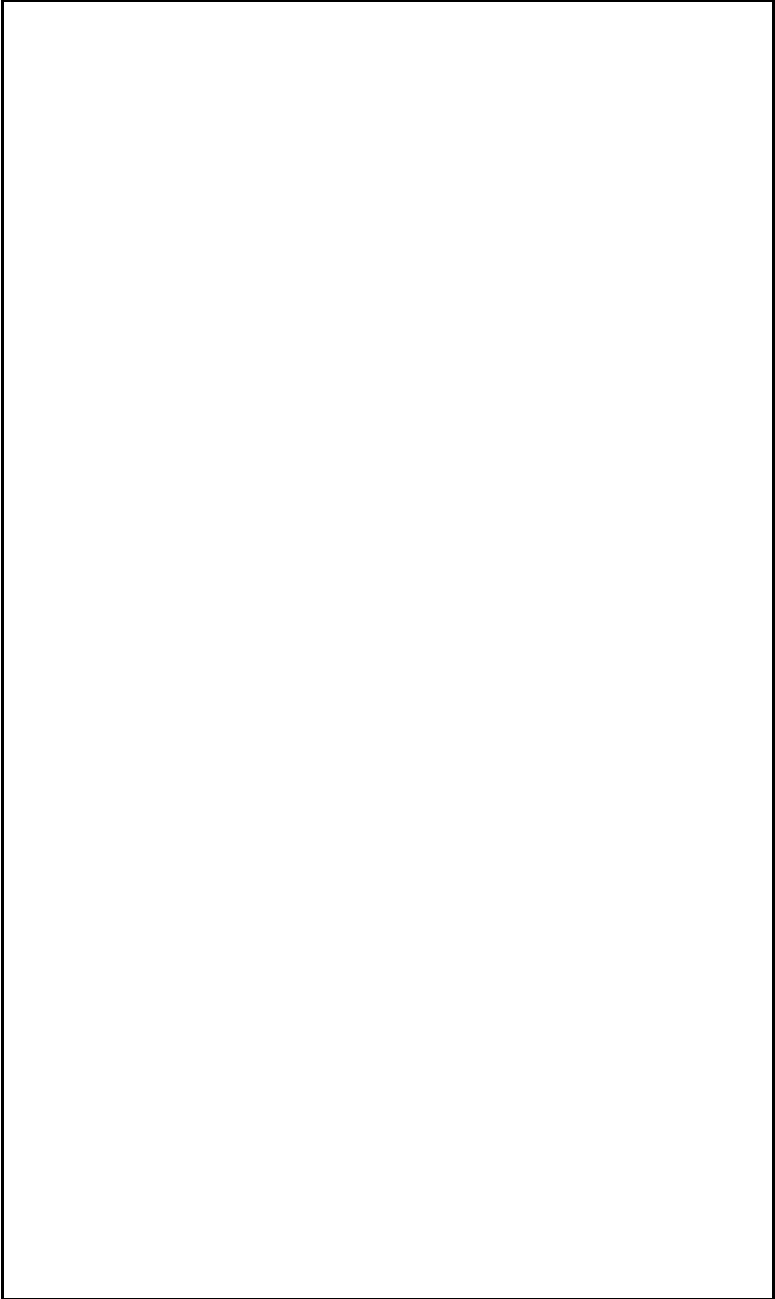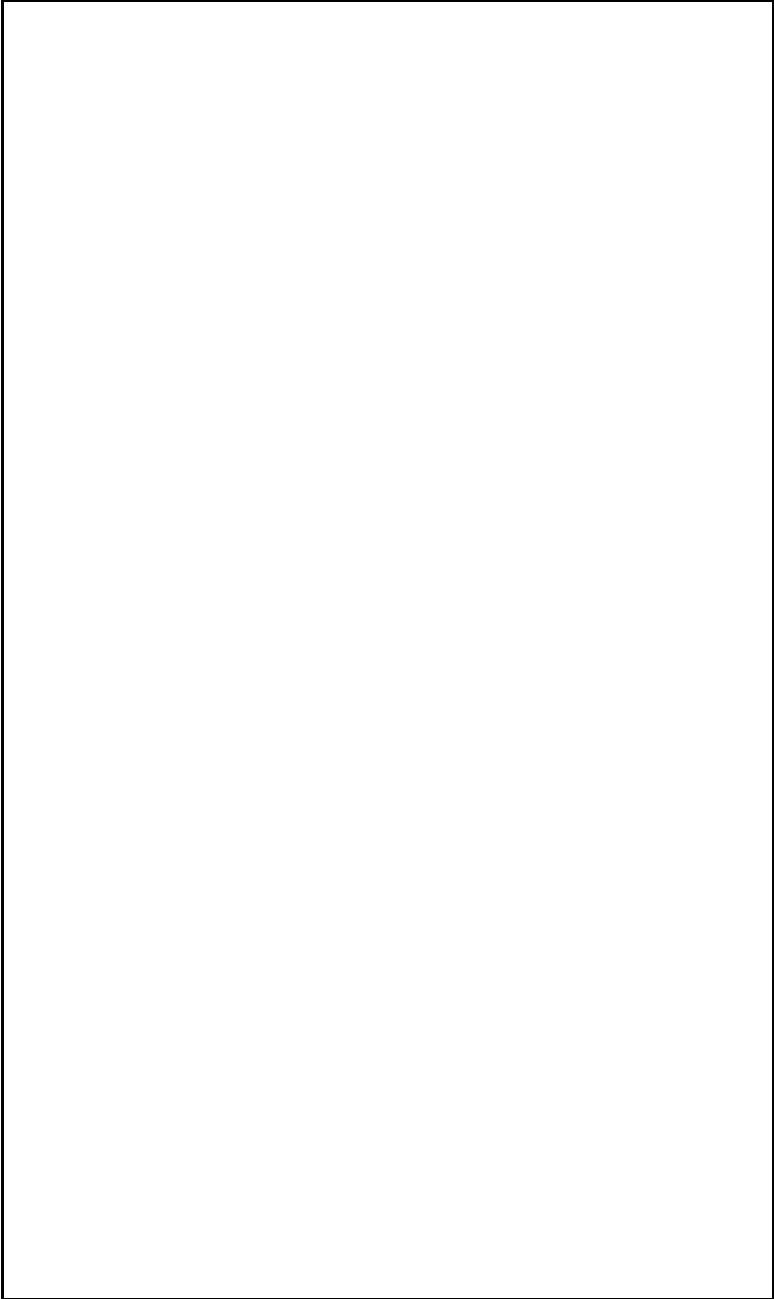
سکندر نقشبندی صاحب کی تصانیف

PUBLICATIONS OF SIKANDER NAQSHBANDI
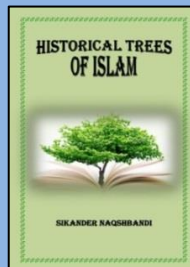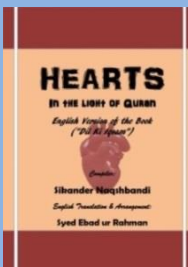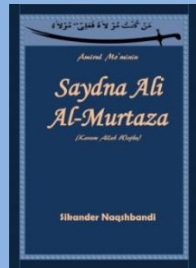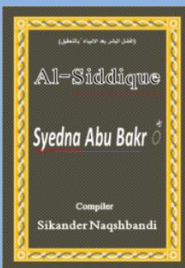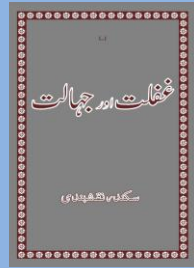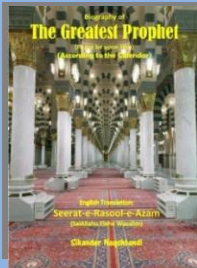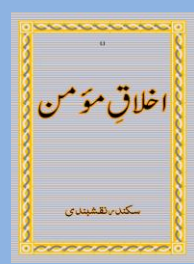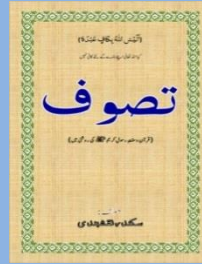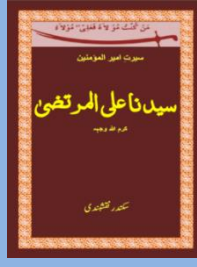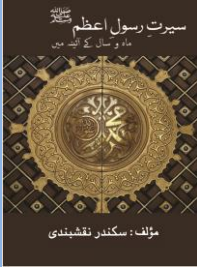
www.eislamicbooks.com /
sikander.naqshbandi@gmail.com